سہ ماہی نئی دھلی

خبرنامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر:۸ | جنوری تا جون ۲۰۱۴ء | شمارہ نمبر:۲،۳

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط و کتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail: aimplboard@gmail.com / Web: www.aimplboard.in

ایڈیٹر پرنٹر و پبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبرشمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	(حضرت) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
۲	شذرات	(حضرت) مولانا سید نظام الدین	۵
۳	یکساں سول کوڈ - قطعاً غیر اسلامی!	حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ	۷
۴	مسلم پرسنل لا کی اہمیت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	۹
۵	مسلم پرسنل لا اور ہماری ذمہ داریاں	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	۱۲
۶	پھر تازہ کرو عزم کہ شریعت میں مداخلت گوارا نہیں	محمد عبد الرحیم قریشی	۱۴
۷	خواتین کے حقوق کا تحفظ	پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی	۱۷
۸	پوتوں کی وراثت	مولانا مفتی محمد عبید اللہ اسعدی	۲۱
۹	عائلی تنازعات کا شرعی حل	مولانا عتیق احمد بستوی	۲۵
۱۰	معاشرہ کی تطہیر - اسلامی طریقۂ کار	مولانا محمد رضی الاسلام ندوی	۳۹
۱۱	عورت و مرد کے بعض حقوق کے مختلف ہونے کی وجہ	مفتی محمد خالد حسین قاسمی نیموی	۴۲
۱۲	چند سماجی برائیاں	مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۴۷
۱۳	رپورٹ تفہیم شریعت کمیٹی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی / مولانا محمد زبیر ندوی	۵۰
۱۴	رپورٹ دار القضاء کمیٹی	مولانا عتیق احمد بستوی	۵۴
۱۵	رپورٹ اصلاح معاشرہ کمیٹی	تہنیت اطہر / محمد قمر الدین / ناصر ایوب ندوی	۵۹
۱۶	مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں (مختصر رپورٹ)	وقار الدین لطیفی	۶۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة و السلام على سيدنا المرسلين سيد محمد، وعلى آله و صحبه، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

اسلام میں دینی احکامات صرف عبادات کی مخصوص شکلوں میں ہی محدود نہیں رکھے گئے ہیں، بلکہ وہ انسانی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے لیے بھی ہدایات رکھتے ہیں، اور اسلام میں ''شریعت'' ان ہی احکامات کا نام ہے۔ اسلام میں عبادت کا مطلب ہے زندگی کے تمام پہلوؤں میں اپنے پروردگار اللہ رب العزت کی فرمانبرداری۔ اور یہ فرمانبرداری زندگی کے ان پہلوؤں میں بھی کرنی ہے جو بظاہر دنیا کے فائدوں سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً ازدواجی زندگی، معاشرتی تعلقات، اور معاشی اور سماجی ضروریات، اور اسی کے ساتھ ساتھ مروجہ رسوم و عادات۔ ایک مسلمان کو ان سب پہلوؤں میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے خلاف نہ ہو۔

عبادت کی بنیادی اور کھلی ہوئی شکل تو بعض یا چند نمایاں صورتوں میں ہوتی ہے، جو اسلام میں نماز، روزہ، زکات اور حج کو عملی طور پر ادا کرنے میں ہے، اور انہیں ارکان اسلام یعنی اسلام کے بنیادی اعمال قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ زندگی کے دوسرے آداب و اعمال جیسے میاں بیوی کے تعلقات، ماں باپ اور اعزہ کے حقوق، معاشی معاملات و اخلاقی طور وطریق اور شادی وغم کے حالات اسلامی زندگی کے وہ پہلو ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، اس کے رسول خاتم النبیین محمد (ﷺ) کے بتائے ہوئے طریقہ کو اختیار کرنا مسلمان کے لئے ضروری ہوتا ہے، ان سارے معاملات میں کچھ تو ایسے ہیں جن میں ملک کے دستور وقانون کی پابندی کا بھی معاملہ ہوتا ہے، اس کے لیے ملت کے قائدین اور علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس میں کوئی دشواری آتی ہو تو اس کی فکر کریں، ان کے علاوہ دوسرے معاملات ایسے ہیں جن میں اسلام کو اپنا مذہب سمجھنے اور ماننے والوں کو عمل کرنے میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں، مسلمانوں کو ان تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تابعداری کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ سب مذہبی احکام ہی شریعت کہلاتے ہیں۔

ان ہی احکام کی فرمانبرداری کی بناء پر مسلمان آخرت کی زندگی میں جزائے خیر اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے، اور نافرمانی کی صورت میں وہ سزا اور عذاب کا مستحق بنتا ہے، اور ان کو اگر دل سے بھی نہ مانتا ہو تو وہ مسلمان نہیں رہتا ہے۔ ان کو دل اور زبان دونوں سے ماننے ہی پر وہ اسلام کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔

ہمارے مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے ذمہ جو کام لے رکھا ہے وہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کے سلسلہ میں دئے گئے احکام شریعت کی

حفاظت کا کام ہے، اوران میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف مسلمانوں کومتوجہ کرنا ہے، اوران کے سلسلہ میں اگر کسی طرف سے رکاوٹ ڈالی جارہی ہو، تو وہاں اس کو دور کرنے کی فکر کرنا ہے، اسی لئے جن معاملات میں عدالتی چارہ جوئی اور حکومت کو توجہ دہانی کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں بورڈ اپنی حد تک جو کوشش ہے، وہ کرتا ہے، لیکن جہاں خود مسلمانوں کی کوتاہی کا معاملہ ہوتا ہے، وہاں مسلمانوں کو سمجھانے کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے، اسی لئے بورڈ نے ایک طرف قانونی چارہ جوئی کا کام اپنے ذمہ لیا ہے، اور دوسری طرف اصلاح معاشرہ کے کام کی بھی اس کو فکر کرنا ہوتی ہے۔ ان دونوں کاموں میں بورڈ اپنی توجہ صرف کرتا ہے، لیکن چونکہ وہ حکومتی ادارہ نہیں ہے، اس کو صرف عوامی اور خود کار بنیاد پر چلایا جاتا ہے، اس لیے ملک کے سب مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ جن باتوں پر ان کو خود عمل کرنے میں کوئی قانونی رکاوٹ نہیں ہے، ان کو وہ خود انجام دیں، تاکہ وہ اسلامی شریعت کے ماننے والے ثابت ہوں۔ اگر مسلمان ایسا کرنے لگیں گے تو اس کے بعد صرف تھوڑے ہی معاملات ایسے رہ جاتے ہیں جن کو کرنے کے لئے حکومت یا عدالت سے رجوع کرنا پڑے۔ اسی بات کو سمجھانے کے لئے بورڈ کی طرف سے اصلاح معاشرہ کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ اور اسی کے ساتھ شریعت کے فیصلوں کو جاننے اور ان کو جان کر ان پر عمل کرنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے آپسی جھگڑوں کو اپنے اندر ہی حل کرا لینے کے لئے دارالقضاء کا نظام رکھا گیا ہے، ان کے ذریعہ مسلمان اکثر آپسی جھگڑے ختم کرا سکتے ہیں۔ اس کے بعد غیروں سے کچھ کہنے یا کرانے کا کام زیادہ نہیں رہ جاتا، اور اس طرح مسلمانوں کا معاشرہ ایک اچھا اسلامی معاشرہ بنتا ہے، اسی کو عمل میں لانے کی فکر وکوشش کے لئے بورڈ عمل پیرا ہے، لیکن یہ بورڈ اور عوام دونوں کا اپنی اپنی جگہ پر فرض ہے، جس کی ادائیگی میں دونوں کو شریک ہونا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے مسلمان ملت کے لیے ایک کامیاب اور خیر وبرکت کا معاشرہ بن سکے گا، چنانچہ ضروری ہے کہ ہم سب اپنے اپنے دائرۂ کار میں اپنا اپنا فرض انجام دیں۔

سب مسلمان شریعت میں جہاں جہاں خود عمل کر سکتے ہیں عمل کریں، اپنے جھگڑے اپنے اندر ہی حل کرائیں، اور اپنے سماجی اور انفرادی معاملات اور رسوم ورواج میں اسلامی شریعت کی پابندی کریں، جس میں خاصی کوتاہی پائی جاتی ہے، اور اس سلسلہ میں اصلاح معاشرہ کمیٹی کی کوششوں میں بھی ہاتھ بٹائیں تاکہ اس مقصد میں مدد ملے، اور اس طرح بورڈ ان کاموں میں جو اس کے ذمہ آتے ہیں، اور بورڈ ہی کے ذریعہ سے انجام پا سکتے ہیں، پوری توجہ دے سکے گا۔ اور اپنا فرض زیادہ توجہ سے پورا کرے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس ملک کے مسلمان ملک کے حالات کے تناظر میں بورڈ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، اور اس کو اپنی تائید اور تعاون سے مضبوط بنانے میں الحمدللہ حصہ لیتے ہیں، اور اس میں وہ اپنے اپنے مسلک اور نقطہ ہائے نظر کے فرق کے ساتھ شریک اور متحد ہیں، اور یہ شرکت واتحاد ہندوستان جیسے ملک میں ملت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے، اور اس سے ان کی شریعت کے بقاء اور حفاظت کی بہت اچھی شکل بنتی ہے۔

بورڈ اپنی کوششوں کو بہتر سے بہتر طریقہ سے انجام دینے کے لئے غور وفکر و پروگرام کا جائزہ لیتے رہنے کے لئے سال میں ایک بار عمومی اجلاس، اور چند چند ماہ کے فرق سے عاملہ کا اجلاس کرتا ہے، اور اس طرح بورڈ اپنے فرائض انجام دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ مفید بنائے۔

اداریہ

شذرات

مولانا سید نظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

اس وقت جب یہ سطور لکھی جارہی ہیں، پارلیمانی الیکشن کے بعد آر ایس ایس کے اشارہ پر وزارت عظمی کے عہدہ پر ایک ایسے شخص کو بٹھایا گیا ہے، جس پر ہزاروں مسلمانوں کے قتل کا گناہ ہے، جس نے سیاسی ترقی کے زینہ کو طے کرنے کے لئے نفرت اور تعصب کا راستہ اختیار کیا ہے اور یہ کوئی چھپا ہوا راز نہیں؛ بلکہ کھلی ہوئی سچائی ہے، جس کا شور ہندوستان سے لے کر بیرون ملک تک ہے۔

بی جے پی کے منشور میں یکساں سیول کوڈ بھی شامل ہے، وہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کو ان کی مذہبی اور تہذیبی شناخت سے محروم کردیا جائے؛ حالاں کہ کسی گروہ کی مرضی کے بغیر ان پر کسی قانون کو مسلط کردینا اور ان کو ان کی شناخت سے محروم کردینا نہ دستوری تقاضوں کے مطابق ہے اور نہ ملک کے مفاد میں، ہندوستان ایک کثیر مذہبی اور کثیر تہذیبی ملک ہے، یہاں مختلف مذہبی،لسانی اور ثقافتی اقلیتیں بستی ہیں،اس ملے جلے معاشرہ نے ہندوستان کو ایک خوبصورت گلدستہ بنادیا ہے، یہ اس ملک کیلئے تمغۂ افتخار ہے اور ہندوستان کی اس حیثیت کو پوری دنیا میں سراہا جاتا ہے، اگر اس ملک میں یکساں سیول کوڈ نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ بات نہ صرف مسلمانوں کے لئے ناقابل ہوگی؛ بلکہ شمال مشرق اور ملک کے مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی تہذیبی اقلیتوں کے لئے بھی ناقابل قبول ہوگی اور اس طرح ملک کے اتحاد، سالمیت اور قومی یکجہتی کو نقصان پہنچے گا؛ اس لئے ہر محبّ وطن شہری اور سیکولرزم پر یقین رکھنے والے ہندوستانی کا فریضہ ہے کہ وہ پورے شعور اور باہمی اتحاد سے کام لے کر اس صورت حال کا مقابلہ کرے۔

جو قوانین مسلم پرسنل کے دائرے میں آتے ہیں، وہ زیادہ تر براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول سے ماخوذ ہیں اور خالص مذہبی مسائل ہیں، یہ رسم و رواج پر مبنی نہیں ہیں؛ اس لئے مسلمان اس میں ہرگز ہرگز کسی تبدیلی کو قبول نہیں کرسکتے اور یہ ان کا بنیادی حق ہے، جس کا دستور میں تیقن دیا گیا ہے، انگریز حالاں کہ بدیشی غاصب تھے؛ لیکن انہوں نے بھی اس حقیقت کو محسوس کیا کہ پرسنل لا کی جڑیں مذہب کے اندر پوری گہرائی کے ساتھ پیوست ہیں؛ اس لئے انہیں چھیڑنا نہیں چاہئے، اور وہ بڑی حد تک اس پر قائم بھی رہے، مگر افسوس کہ آزاد ہندوستان میں بعض جماعتیں اقلیتوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا چاہتی ہیں، یہاں تک کہ ان کو مذہبی آزادی سے بھی محروم رکھنے کے درپے ہیں۔

مسلم پرسنل لا سے متعلق کئی مقدمات اس وقت عدالت میں زیر دوراں ہیں، ان میں ہم جنسی سے متعلق بورڈ کے موقف کو عدالت نے قبول کیا ہے اور اس غیر فطری عمل کو جرائم کی فہرست میں باقی رکھا ہے، اسی طرح متبنّی کے بارے میں جو فیصلہ آیا ہے وہ پوری طرح تو نہیں؛ لیکن بڑی حد تک بورڈ کے موقف سے ہم آہنگ ہے؛ لیکن عدالت کے متعدد فیصلے اصلاح اور نظر ثانی کے محتاج ہیں، خاص کر نفقۂ مطلقہ اور تحکیم کے مرحلہ سے گزرے بغیر طلاق کا مسئلہ، ابھی ماضیٔ قریب میں بھی سپریم کورٹ سے نفقۂ مطلقہ کے بارے میں یہی فیصلہ آیا ہے کہ طلاق اور عدت کے بعد بھی سابق شوہر پر نفقہ کی ذمہ داری باقی رہے گی، یہ فیصلہ واضح طور پر شریعت کے خلاف اور کتاب وسنت کی صراحتوں کے مغائر ہے، بورڈ ایسے فیصلوں کے تدارک کے لئے دوہری کوشش کررہا ہے، ایک تو عدالت کے ذریعہ کہ وہ کسی مناسب موقع پر وسیع تر بینچ قائم کرنے کی سپریم کورٹ سے درخواست کرے، جو اس سلسلہ میں ہونے والے گذشتہ فیصلوں پر نظر ثانی کرے، دوسرے پارلیمنٹ

کے ذریعہ ایسی قانون سازی کرائی جائے، جس سے شریعت اسلامی کے مغائر ان فیصلوں کا تدارک ہو، بورڈ نے تحفظ حقوق مطلقہ خواتین کا ترمیمی مسودہ بھی تیار کر رکھا ہے، الیکشن کے نتائج آنے کے بعد تازہ ترین صورت حال کو سامنے رکھ کر اس سلسلہ میں قدم اٹھایا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ایسی جدوجہد اور بیداری ضروری ہے کہ مسلمانوں میں اپنے مسائل کو عدالتوں میں لے جائے بغیر دار القضاء میں مقدمات لے جانے کا مزاج پیدا ہو، اگر مسلمان خود اپنے معاملات عدالتوں میں نہ لے جائیں اور احکام شریعت کے مطابق فیصلہ کرائیں تو مخالف شریعت فیصلوں کی نوبت ہی نہیں آئے گی، اگر مسلمان دار القضاء میں اپنے معاملات لانے کا اہتمام کریں گے تو وہ اللہ کی رضا بھی حاصل کریں گے اور مالی زیر باری سے بھی بچ جائیں گے۔

دنیا میں اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کے درمیان اختلاف و انتشار پیدا کرنے کے ایجنڈہ پر مسلسل عمل پیرا ہیں، شام میں تقریباً دو لاکھ مسلمان برادر کشی کا شکار ہو چکے ہیں، عراق سے ہر روز بے قصور عوام کے قتل کی اطلاعات آرہی ہیں اور حکومت کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے تیزی سے یہ ملک تقسیم کی طرف بڑھ رہا ہے، مصر اور بنگلہ دیش میں حکومتیں اپنے ہی عوام کو پھانسیاں دینے پر تلی ہوئی ہیں اور پھانسی چڑھائے جانے والوں کا قصور صرف اس قدر ہے کہ وہ دین حق کے پرستار ہیں اور آمرانہ نظام کے بجائے عوام کے منتخب کئے ہوئے جمہوری نظام کے خواہاں ہیں، صیہونی اور صلیبی طاقتیں عالم اسلام میں سیاسی استحکام اور جمہوری نظام کو ہرگز فروغ دینا نہیں چاہتیں، وہ چاہتی ہیں کہ یہاں انتشار باقی رہے اور عوام کے غیر منتخب غاصبوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہو؛ تاکہ وہ مغربی طاقتوں کے اشارے پر سارے کام انجام دیں، ملت اسلامیہ کی اہم شخصیتوں کا فریضہ ہے کہ وہ ان حالات میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے، صلح وامن کی فضا قائم کرنے، باہمی اختلافات کو حل کرنے اور اسلامی اخوت کے جذبہ کو بیدار کرنے کی غرض سے باہم متحارب قوتوں کے درمیان مصالحانہ کردار ادا کریں؛ تاکہ اس برادر کشی سے ملت اسلامیہ کو نجات ملے۔

عالم اسلام کی باہمی چپقلش کا سب سے بڑا فائدہ اسرائیل کو ہوا؛ چنانچہ پچھلے دنوں اسرائیل کے وزیر دفاع نے اعلان کیا کہ ہم نے اپنی پالیسی بدل دی ہے، اب ہم اپنے دشمنوں کو خود قتل کرنے کی بجائے انہیں ایک دوسرے سے قتل کرائیں گے، نیز اس پوری صورت حال کا سب سے زیادہ نقصان ملت اسلامیہ کو ہوا کہ ان کی توجہ اصل مسئلہ یعنی بیت المقدس کی طرف سے ہٹ گئی اور اب بہ ظاہر ان کے اندر دور دور تک بیت المقدس کو واپس حاصل کرنے اور اسرائیل سے اپنی مغصوبہ اراضی کو واپس لینے کا نہ کوئی عزم نظر آتا ہے اور نہ اس کا حوصلہ، اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کوئی قوم آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوتی رہے اور شاید مسلمان اس وقت اسی صورت حال سے گذر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں حالات کو سمجھنے اور ملت کی وحدت کو باقی رکھنے کے لئے اپنے مفادات کو قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

گذشت دنوں یہ حقیر سخت بیماری کی آزمائش سے گذرا اور کافی عرصہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہا، اللہ کا شکر ہے کہ اگرچہ کمزوری تو اب بھی بہت ہے؛ لیکن بتدریج طبیعت روبہ صحت ہے، علالت کے دوران بہت سے مخلصین نے آکر مزاج پرسی کی، بہت سے حضرات نے ٹیلیفون پر عیادت کی، خود صدر بورڈ دامت برکاتہم نے اپنی علالت، پیرانہ سالی اور ضعف و ناتوانی کے باوجود سفر کی زحمت برداشت کی اور پھلواری شریف پٹنہ تشریف لائے، بہت سے احباب وہ ہیں، جنھوں نے اپنی دعاؤں میں اس حقیر کو یاد رکھا، متعدد اداروں میں دعاء کا خصوصی اہتمام کیا گیا، میں ان تمام حضرات کا بے حد شکر گذار ہوں، اور ملت اسلامیہ سے اپیل کرتا ہوں کہ افراد تو آتے جاتے رہتے ہیں؛ لیکن جیسے یہ دین ابدی اور لافانی ہے، اسی طرح دین کی خدمت بھی تسلسل کو چاہتی ہے، لوگ آتے اور جاتے رہیں گے؛ لیکن دین کے کارواں کو کسی وقفہ کے بغیر اپنی خدمت جاری رکھنی چاہئے، اپنے بزرگوں کے لئے سب سے بڑا خراج تحسین یہی ہے، باللہ التوفیق وھو المستعان۔

۞۞۞

یکساں سول کوڈ - قطعاً غیر اسلامی!

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ (سابق جنرل سکریٹری بورڈ)

یکساں سول کوڈ جیسا بھی ہو، بہر حال غیر اسلامی ہوگا (۳) خدا نخواستہ اگر یکساں سول کوڈ لایا گیا تو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی بڑی الجھنوں میں مبتلا ہوجائے گی اور بہت سے معاملوں میں ہمیں قانون کے ذریعہ مجبور کیا جائے گا کہ ہم جائز چیزوں کو چھوڑ دیں اور حرام کو قبول کرلیں۔

ہندوستان کے قانون سازوں کا ذہن مغربی سانچوں میں ڈھلا ہوا ہے اور قانون بناتے وقت ان کے سامنے کسی مغربی ملک کا کوئی نہ کوئی قانون رہا کرتا ہے، اس لئے یکساں سول کوڈ پورے طور پر مغربی طرز کا ہوگا، جس کی ایک مثال ''ہندو کوڈ'' ہے، میرا خیال ہے کہ اگر حکومت نے یہاں یکساں سول کوڈ بنایا تو وہ موجودہ ہندو کوڈ کو یونیفارم سول کوڈ کا نام دے گی، اسے تھوڑی بہت ظاہری تبدیلی کے ساتھ سول کوڈ بنادیا جائے گا۔ ہندو کوڈ کی بنیاد ہندو مذہب کی تعلیمات نہیں بلکہ مغربی نظریات ہیں، مثلاً ہندو کوڈ کی رو سے شادی کے بعد تین سال تک میاں و بیوی میں علیحدگی کا سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور دونوں میں سے کوئی اگر علیحدگی چاہے تو اسے شادی کے بعد کم سے کم تین سال تک انتظار کرنا ہوگا۔ ہندو کوڈ نے طلاق کا اختیار بھی مردوں سے ختم کردیا ہے اور یہ صراحت کی ہے کہ مرد اور عورت میں سے جو بھی علیحدگی چاہے عدالت میں درخواست دے، عدالت اگر علیحدگی کے مطالبہ کو درست سمجھے گی تو علیحدگی کرادے گی۔ یہ سسٹم خدا کے بتائے ہوئے قانون سے صاف طور پر ٹکراتا ہے۔ شریعت (مسلم پرسنل لا) نے اس کا پابند نہیں کیا ہے کہ نباہ ہورہا ہو یا نہیں، بہر حال تین سال تک میاں و بیوی ایک دوسرے کو برداشت کرتے رہیں، شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے، خلع اور فسخ کا حق عورت کے لئے مخصوص کیا ہے اس لئے اس طرح کے قوانین ایک مسلمان کی عائلی زندگی کے لئے ناقابلِ برداشت ہیں۔

ہندو کوڈ میں وراثت کے متعلق بھی دفعات موجود ہیں۔ یہ دفعات بھی اسلام کے قانون وراثت سے ٹکراتی ہیں۔ مثلاً ہندو کوڈ نے ماں، بیوی، بیٹا اور بیٹی کو برابر کا درجہ دیا ہے۔ اگر مرنے والے کے یہ چاروں وارث موجود ہوں تو جائداد برابر تقسیم کی جائے گی اور سبھوں کو برابر حصہ ملے گا۔ جب کہ اسلام نے ان چاروں کے لئے چار الگ درجات متعین کئے ہیں اور ہر ایک کے حصہ کی مقدار بتادی ہے......اس طرح ہندو کوڈ کا وہ پورا حصہ جو میراث سے متعلق ہے اسلام کے قانون میراث سے بالکل الگ ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو اسلامی قانون کے لحاظ سے حقدار یا زیادہ کے حقدار ہوا کرتے ہیں ہندو کوڈ کی نظر میں ان کا حصہ کم ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اور بہت سے وہ لوگ جو اسلامی قانون کے لحاظ سے کم کے مستحق ہیں یا جنہیں کچھ نہیں ملنا چاہئے وہ ہندو کوڈ کے مطابق زیادہ پاسکتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس طور پر کچھ لوگوں کی حق تلفی اور کچھ لوگوں کو بیجا نفع پہونچتا ہے جو غلط ہے۔

دونوں قوانین کے درمیان جو فرق ہے اس کی یہ چند مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مغرب سے برآمد کیا ہوا یہ ہندو کوڈ مسلم پرسنل لا سے بالکل الگ اور مخالف قانون ہے۔ یکساں سول کوڈ موجودہ ہندو کوڈ سے زیادہ مختلف نہیں ہوگا اس لئے اگر مسلم پرسنل لا کی جگہ یکساں سول کوڈ نافذ کیا گیا، تو مسلمانوں کی عائلی زندگی کی پوری عمارت ڈھ جائے گی۔

مسلم پرسنل لا اور مسلم ممالک

یہ بات بار بار دہرائی گئی کہ جب مسلم ممالک میں مسلم پرسنل لا کو ختم کیا جاسکتا ہے تو ہندوستان میں تبدیلی کیوں غلط ہوگی۔ خاص کر وہ لوگ جو ہر معاملے میں پاکستان کے نام سے بدکتے ہیں، اس معاملہ میں پاکستان کی دہائی دے کر ہندوستانی مسلمانوں کو پاکستانی مسلمانوں کی پیروی کا مشورہ دیتے ہیں۔ اور حکومت پاکستان کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔

''مسلم پرسنل لا'' کی تنسیخ یا تبدیلی کی یہ دلیل بظاہر مضبوط معلوم

ہوتی ہے، مگر اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ جو قرآن و سنت کے خلاف ہے، وہ غلط ہے، خواہ کہیں ہو رہا ہو، کسی ''مسلم اسٹیٹ'' کی غلط کارروائی ''اسلامی قانون'' نہیں کہلا سکتی ہے (۱) اور نہ اس بنیاد پر اسلامی قانون میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ جو چیز قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح ہے اسے ہی صحیح اور اسلام کے مطابق کہا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسلم ممالک میں ''پرسنل لا'' کی تبدیلی کا جو پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے وہ حقیقت سے دور ہے۔ عام طور پر مسلم ممالک میں ''مسلم پرسنل لا'' نافذ ہے اور وہاں کے لوگ شریعت کے مطابق اپنے عائلی مسائل حل کرتے ہیں۔ صرف چند ممالک ایسے ہیں جہاں تبدیلی ہوئی ہے۔ ماضی بعید میں تبدیلی کی اہم مثال ''ترکی'' ہے جہاں ۱۹۲۶ء میں نہ صرف ''مسلم پرسنل لا'' کو ختم کر کے انفرادی زندگی کے نظام کو درہم برہم کر دیا گیا۔ انتہا یہ ہوئی کہ انگریزی لباس کو قانونی شکل دی گئی، عربی زبان کا استعمال ختم کر دیا گیا اور اسلامی عبادتوں پر بھی ہاتھ صاف کیا گیا اور لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ مذہب و معاشرہ کے جانے پہچانے طریقوں سے الگ ہو جائیں۔ اس قسم کے باطل قوانین کی مخالفت کرنے والے سیکڑوں علماء شہید کر دئے گئے اور توپوں کے سائے میں اسلامی قوانین کو مٹایا گیا۔ ترک علماء اور عوام نے اس طویل عرصہ میں کبھی بھی ان قوانین کو پسند نہیں کیا اور آخر کار ترکی حکومت قوانین بدلنے پر مجبور ہوئی اور آہستہ آہستہ ترکی حکومت پھر اسلام کے قریب آ رہی ہے۔

ماضی قریب میں کچھ تبدیلیاں پاکستان میں لائی گئیں جس کا برابر ذکر خیر ہوتا ہے پاکستان میں جو کچھ ہوا اس کی ہمیں خبر ہے اگرچہ وہاں کی تبدیلیوں کا زیادہ تر تعلق انتظامی امور سے ہے، لیکن یہ صحیح ہے کہ متعدد تبدیلیاں قانون شریعت کے خلاف ہوئی ہیں، اور نہ صرف ہم، بلکہ پاکستان کے لوگ بھی اسے غلط سمجھتے ہیں۔ جس وقت یہ تبدیلی لائی گئی وہاں کے علماء نے زبردست احتجاج کیا اور عوام نے علماء کا ساتھ دیا، مگر پاکستان کی فوجی حکومت نے احتجاج کرنے والوں کو جیل بھیج کر ''مسلم پرسنل لا'' کے کچھ حصوں کو بدل ڈالا۔ اگر ہندوستان کی حکومت پاکستان کو سامنے رکھ کر یا ترکی کو مثال بناتے ہوئے ''مسلم پرسنل لا'' کو بدلنے کی کوشش کرتی ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان میں بھی ان دونوں ملکوں کی طرح آمرانہ اور فوجی نظام اپنایا جا رہا ہے۔

وہ لوگ جو اس مسئلہ میں بار بار پاکستان کا نام لیتے ہیں، ان کی خدمت میں ہم عرض کریں گے کہ پاکستان کی فوجی حکومت کا طرزِ عمل ہندوستان کی حکومت کے لئے دلیل فراہم کر سکتا ہے، تو پھر پاکستان کی جمہوری حکومت کا طرزِ عمل اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ ہندوستان کی جمہوری حکومت اسے اپنائے...... پاکستان کے صوبہ سرحد میں چند ہدایتیں دی گئی تھیں۔ مثلاً زنا کرنے والوں اور شراب پینے والوں کو سزا، نائٹ کلبوں اور ڈانس پر پابندی، رمضان المبارک کا احترام، عملہ کے لئے نماز کی پابندی، عورتوں کو چست اور جاذبِ نظر لباس پہن کر نکلنے کی ممانعت اور اسی انداز کی کچھ تبدیلیاں، جو پاکستان کے ایک صوبہ میں لائی گئیں، کیا پاکستان کے نقش قدم پر چلنے کا مشورہ دینے والے اس نقش کو بھی اپنانے کا مشورہ دیں گے؟ اور ان کی یہ کوشش ہوگی کہ ہندوستان یا اس کے کسی صوبہ میں ایسی ہدایتیں دی جائیں؟

ایک چیز اور بھی لائق توجہ ہے...... مسلم ممالک نے پرسنل لا میں تبدیلی کی ہے یا نہیں؟ اور کی ہے تو کس طرح کی اور کس حد تک؟ اس بحث میں پڑنے سے پہلے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ مسلم ممالک نے اپنے ملک میں آباد مذہبی اقلیتوں کے دینی امور میں کوئی مداخلت کی ہے یا نہیں؟ اس کا جائزہ لیا جائے۔ ہندوستانی مسلمان مذہبی اقلیت ہیں، اس لئے مذہبی امور میں اگر مسلم ممالک کی کوئی مثال سامنے رکھی جا سکتی ہے تو اس کے لئے سب سے بہترین ان ممالک کی اقلیتی صورت حال ہو سکتی ہے۔ میرے علم کے مطابق کسی بھی مسلم ملک نے اپنے یہاں کی مذہبی اقلیت کے دینی اُمور میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کی ہے، نہ پرسنل لا کو ہاتھ لگایا ہے۔ ایسے بھی مسلم ممالک ہیں جن کے پڑوس میں دوسرے مذہب کے ماننے والوں کی حکومت ہے اور دونوں میں ایسے شدید ترین اختلافات بھی موجود ہیں جن کی تہ میں کسی نہ کسی درجہ میں مذہبی جذبہ بھی کارفرما ہے۔ لیکن اس ملک میں پڑوسی ملک کے ہم مذہب، اقلیت کی شکل میں آباد ہیں اور وہ اپنی دینی زندگی اور پرسنل لا کو محفوظ سمجھتے ہیں اور اس پر آزادی کے ساتھ عمل کرتے ہیں...... مصر میں یہودیوں کی مذہبی آزادی اس کی واضح مثال ہے!

۞۞۞

مسلم پرسنل لا کی اہمیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ (سابق صدر بورڈ)

۱۔ مذاہب کے تقابلی مطالعہ Comparative Studies کی روشنی میں جس کا میں ایک طالب علم ہوں ان تمام آسمانی مذاہب کے بارہ میں کہہ سکتا ہوں جو صحیفے رکھتے ہیں، اور جن کے یہاں نبوت کی تاریخ ہے لیکن میرے لئے زیادہ محتاط صورت یہ ہے کہ میں اس دین کی طرف سے عرض کروں جس سے میرا اور آپ کا انتساب ہے کہ اس کی ایک بنیادی حقیقت یہ ہے کہ یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں کے ذریعہ، سماجی خدمتگاروں، اصلاحی کام کرنے والوں Reformers یا بانیانِ سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا، یہ سارے گروہ قابل احترام ہیں، لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظامِ فکر، دبستان School of thought اور خالص مطالعہ، غور وفکر، اور تجربہ کے نتائج میں ایک حد فاصل سرحدی لکیر Line of Demarcation ہے، جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، یہ حد فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث Confusion ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کے اظہار کے لئے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں، جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب وتمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقے پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے، وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حدّ فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفہ، سماجیات کا علم Social Sciences تہذیب و تمدن Civilization سوسائٹی اور انسانی معاشرہ، یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں، اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب وتمدن اور فکر ودانش کا ایک مستقل مدرسہ School of Thuught بھی ہے، لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک دین ہے، اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا، بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا، اور وہ ان کے لئے اسی درجہ قابل احترام اور قابلِ اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لئے اور سارے امتیوں کے لئے وما ینطق عن الھویٰ O اِنْ ھو الا وحیٌ یوحیٰ O (سورہ نجم ۳،۴)، (وہ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے، (جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے) ماکنت تدری ماالکتاب و لا الایمان ولکن جعلنٰہ نوراً نَّھدیٰ بہ من نشاء من عبادِناط وَ انَّکَ لَتَھْدِیٰ الیٰ صِراطٍ مُّستَقِیم O (سورۃالشوریٰ ۵۲)، (آپ نہیں جانتے تھے کہ لکھنا پڑھنا کیا ہوتا ہے، ہم نے اس کو ایک نور کی طرح آپ کے سینہ میں اُتارا، اور اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمدؐ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو)۔

اچھے اچھے سنجیدہ اہل علم اور اہل فکر اس مغالطہ میں ہیں، اس پر انہوں

نے اپنی عمریں گذار دیں۔ ایک کتب خانہ تیار ہو گیا، اور اس نے غیر ضروری طور پر ایک مہم اور ایک معرکہ آرائی Conflict کی شکل اختیار کر لی ہے، حالانکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں، سیدھی سی بات یہ ہے کہ آپ جس دین کے ماننے والوں کو مخاطب کرتے ہیں، ان سے توقع اور مطالبہ کرتے ہیں، ان کو مشورہ دیتے ہیں، پہلے آپ ان کا مزاج اور ان کا امتیاز سمجھ لیں، وہ پیغمبروں کی ایک ایسی جماعت اور اس جماعت اور اس جماعت کے خاتم اور اس جماعت کے فرد اکمل کے تابع ہیں جس کا رشتہ وحی الٰہی سے تھا، اور وہ خود وحی کا انتظار کرتا تھا، بیسیوں حدیثیں ہیں جو میں اس وقت آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتا کہ لوگ پوچھنے آئے آپ نے کہا انتظار کرو، آپ خود انتظار کرتے رہے، اور بعض مرتبہ تو ایسا ہوا کہ سائل موجود ہے، اور آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور کسی صحابی نے اپنے دوست سے کہا کہ دیکھو، تم دیکھنا چاہتے تھے کہ وحی کس طرح آتی ہے تو دیکھ لو، بعض دفعہ ایسا ہوا کہ ساق مبارک کسی کی ساق پر تھی، اور وحی کا نزول شروع ہوا، وہ کہتے ہیں کہ قریب تھا کہ میری ٹانگ ٹوٹ جائے، اتنا بوجھ تھا، اس لئے کہ وحی کے ساتھ ایک بوجھ ہوتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس مادی دنیا سے آپ کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے، اور آپ کسی اور عالم میں ہیں، اور اس کے بعد آپ نے وحی کے الفاظ سنانے شروع کئے، ایک مرتبہ کفار نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا، آپ نے وحی کا انتظار کیا، یہاں تک کہ کئی روز (پندرہ دن) گزر گئے اور کفار کو اعتراض کا موقع مل گیا، جب سورہ کہف نازل ہوئی تب اس کا جواب آیا، اور اللہ تعالیٰ نے وہ قصہ سنایا (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج۳ص ۳۶۶) آپ نے اس طرح سنایا جیسے کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

وحی و نبوت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضلا سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی و نبوت کے عہد سے اتنے دور ہو چکے ہیں، کہ ان کے مفہوم سے بھی بہت سے حضرات نا آشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی کی ذہانت کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی متقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارے میں مشورہ دینے یا فیصلہ کرنے کا اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں، عدالت میں پہلی بات یہ طے کی جاتی ہے کہ تمہیں بحث کرنے کا حق ہے یا نہیں، یہاں بڑے بڑے تجربہ کار قانون داں موجود ہیں، ان کو پہلے اپنی سند وکالت پیش کرنی ہوتی ہے اگر معلوم ہے فاضل جج کو کہ یہ باقاعدہ قانون کے فاضل ہیں اور سند رکھتے ہیں وکالت کی، اور مقدموں میں آتے رہتے ہیں تو ضرورت نہیں، لیکن پہلی مرتبہ کوئی وکیل یا بیرسٹر جائے گا تو یہ اطمینان کیا جائے گا کہ یہ قانون کا طالب علم رہا ہے، اور قانون کی سند اس کے پاس ہے یا نہیں، پھر یہ دیکھا جائے گا کہ مؤکل نے بھی اس کو اپنا ترجمان بنایا ہے یا نہیں، لیکن دین کا معاملہ عجیب وغریب ہے کہ اس کی حقیقت معلوم کئے بغیر اس کی تاریخ معلوم کئے بغیر، اس کی روح معلوم کئے بغیر ہر شخص اپنا حق سمجھتا ہے کہ اس کے بارے میں مشورہ دے، اور یہاں تک کہ ترمیم اور اصلاح کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو قبول نہیں کیا جاتا تو اس دین کے ماننے والوں پر جمود و جہالت کا الزام لگایا جاتا ہے اور ان کو کم عقل ثابت کیا جاتا ہے۔

میں اصلاً مذہب کا طالب علم ہوں، زیادہ سے زیادہ تاریخ وادب کا طالب علم ہوں، میں کسی وقت یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ کسی ایسے فن یا مسئلہ میں دخل دوں جس کے مبادی Fundamentals سے بھی میں ناواقف ہوں، اگر کوئی شخص سائنس کے مبادی، فزکس کے مبادی یہاں تک کہ ریاضی Mathematics کے مبادی سے (جو روزمرہ کی ضرورت ہے) ناواقف ہے تو دنیا کا کوئی پڑھا لکھا انسان اس کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ یہ کہے کہ فلاں ماہر ریاضی نے یہ نتیجہ جو نکالا ہے غلط ہے! لیکن کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز رہ گئی ہے کہ اس کے متعلق جس کا جی چاہے، جس وقت جی چاہے اور جس انداز میں جی چاہے مشورہ دیا جائے، اس کی ترجمانی کی جائے اور اس میں خامیاں نکالی جائیں اور اس میں ترمیمات پیش کی جائیں، اس سے پورے نظام علم پر اثر پڑے گا، عصر حاضر کا سارا نظام اعتماد و اختصاص Specialisation پر چل رہا ہے کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کے ماہرین خصوصی کی کوئی قیمت نہیں؟ پھر مذہب کی ایک زبان ہوتی ہے، مذہب کے اصطلاحات ہوتے ہیں، اس کے الفاظ کے اعماق (گہرائیاں) و

آفاق (وسعتیں) ہوتے ہیں، اس کی نفسیات ہوتی ہیں، یہ ساری چیزیں جانے بغیر کوئی شخص بھی (خواہ وہ مسلمان ہو، غیر مسلم ہو اور کسی گروہ کا آدمی ہو) اگر کہتا ہے کہ صاحب، مسلمانوں کے عائلی قانون کا فلاں مسئلہ غلط ہے تو وہ اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے، وہ پورے سیاق وسباق سے ناواقف ہے، اس توازن وتناسب سے ناواقف ہے جس کا لحاظ رکھا گیا ہے، آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر ایک مکمل ڈھانچہ اور جامع ماحول کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے تو اس کو مجموعی طور پر دیکھنا ہوتا ہے، حالت یہ ہے کہ چوراہے پر کھڑے ہوکر (اور یہ اخبارات بھی ایک طرح کے گھومتے پھرتے چوراہے ہیں) جس کا جی چاہتا ہے قلم اٹھا کر لکھ دیتا ہے، اس سے ایک انارکی پیدا ہوتی ہے، ذہنی انارکی سیاسی انارکی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ ملکوں کی تاریخ میں پولیٹیکل انارکی سے پہلے مثل انارکی اور اخلاقی انتشار پیدا ہوتا ہے، اسلام کے بارے میں ذمہ دارانہ طور پر عرض کرسکتا ہوں کہ اس کا ایک طالب علم ہوں، فاضل نہیں کہتا لیکن مانا ہوا طالب علم ہوں، اور یہ بال اسی طالب علمی میں سفید ہوئے ہیں کہ دین کے متعلق پہلے اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے، شریعت آسمانی سے ہے، اس کے لانے والے پیغمبر ہیں، یہودی تک اپنے دین وملت کے بارے میں غیور واقع ہوئے ہیں، آپ کسی یہودی سے یہ کہہ کر دیکھئے کہ تمہارا یہ مسئلہ غلط ہے، تمہارا یہ قانون غلط ہے تو وہ کہے گا کہ ہمارے قانون کا تعلق شریعت موسوی سے ہے، بائبل سے ہے، ہم تو اس کے پابند ہیں، ساری دنیا بھی اگر کہے کہ یہ غلط ہے تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ آج بھی اسرائیل کا پورا نظام معاشرت، اور ان کا عائلی قانون اسی پر چل رہا ہے۔

یہودیوں کے ذکر پر مجھے ایک بات یاد آگئی، اسرائیل سے ایک پرچہ نکلتا تھا، اس میں ایک مقدمہ کی کارروائی تھی، اس میں ایک مضمون تھا کہ اسرائیل کے عرب مسلمان باشندوں نے اسرائیل کی عدالت عالیہ میں یہ رٹ دائر کی کہ ہمیں تعدد ازواج کی اجازت دی جائے، اس لئے کہ ہمارے یہاں تعدد ازواج کی اجازت ہے، فاضل جج نے وقت مانگا، اس نے کہا کہ اسلام کے جو اولین ماخذ ہیں، اور جو کتابیں سند کا درجہ رکھتی ہیں، میں ان کا مطالعہ کروں گا، اسرائیل میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد عربی سے واقف ہے، وہ پہلے سے فلسطین میں رہتے تھے، وہ بے تکلف عربی بولتے ہیں، جج نے قرآن اور احادیث کا مطالعہ کیا، فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، اس نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ میں بداہتاً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تعدد ازواج کی قرآن وحدیث اور اسلامی شریعت میں کھلی اجازت ہے، اور ہم اس کا علمی وتاریخی طور پر انکار نہیں کرسکتے، لیکن چونکہ فلاں اسلامی ملک میں اس پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اس لئے اسرائیل کو جو ایک غیر اسلامی ملک ہے اور شریعت اسلامی کا پابند نہیں، ضرور اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ یہاں کی مسلم آبادی پر پابندی عائد کرے۔

پھر اس مسئلہ پر ملک اور اہلِ ملک کی توانائی کیوں ضائع کی جارہی ہے، ملک اور اہل ملک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، ملک کی تعمیر وترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری ذہنی انتشار، بدگمانی اور خوف کی فضا ختم کی جائے کوئی ملک اس طرح ترقی نہیں کرسکتا کہ اس کی آبادی کے مختلف عناصر میں اپنے مستقبل کے بارے میں شکوک وشبہات ہوں، اور اس سے بڑھ کر ملک کے لئے بدخواہی نہیں ہوسکتی کہ وہ توانائی جو ملک کی سالمیت، اس کی حفاظت اور تعمیر وترقی میں صرف ہونی چاہئے تھی، وہ شکوک وشبہات کو رفع کرنے میں یا شکوک وشبہات کی فضا میں زندگی گذارنے میں خرچ ہو، میں ایک قدم آگے بڑھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم اس اندیشہ میں مبتلا ہیں کہ ہماری آئندہ نسل ہماری طرح ان چیزوں کی معتقد اور ان پر یقین کرنے والی نہیں ہوگی جن پر ہم اعتقاد رکھتے ہیں، اور جو ہمارے لئے ضروری ہیں تو مسلمانوں کے اندر ایک تذبذب اور اندرونی انتشار کی وہ کیفیت پیدا ہوگی جو صرف مسلمانوں کے لئے مضر نہیں ملک کے لئے بھی مضر ہے، یہ ہرگز دانشمندی کی بات نہیں ہے کہ جب ملک میں کوئی مصیبت نہیں آئی، کوئی سائیکلون نہیں ہے، کوئی ایمرجنسی کی کیفیت نہیں ہے، کوئی آسمان سے اولے یا گولے نہیں برس رہے ہیں، کسی نے اس لئے حملہ نہیں کیا ہے کہ آپ مسلمانوں کے پرسنل لا میں تبدیلی کرائیے ورنہ ہم اس ملک پر قبضہ کرتے ہیں، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ آواز بلند ہوتی رہتی ہے کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی جائے؟

❁❁❁

مسلم پرسنل لا اور ہماری ذمہ داریاں

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (سابق صدر بورڈ)

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام کے عادلانہ قانون کے نفاذ کے لئے ہم امت کو مشینری اور سسٹم فراہم کریں۔ یعنی نظام قضا قائم کریں۔ اور مسلمان رضا کارانہ طور پر شریعت کے فیصلوں کو اپنے اوپر نافذ کریں۔

ا۔نظام قضاء کا قیام اور اس کی شرعی اور سماجی اہمیت:

اس حقیقت سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے کہ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں اور انہیں جو مقام عطا کیا ہے دنیا کے کسی مذہب اور کسی قانون میں شاید ہی اس کی مثال مل سکے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے ملک کے عدالتی نظام نے ان حقوق کے حاصل کرنے کو بہت ہی دشوار بنا دیا ہے، مقدمات کی طویل کارروائیاں اور اخراجات کے بوجھ کی وجہ سے مظلوموں کو اپنا حق حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اس لئے قانون شریعت سے فائدہ اٹھانے کے لئے دار القضاء کا نظام نہ صرف شرعی نقطۂ نظر سے بلکہ سماجی اعتبار سے بھی نہایت ضروری اور اہم ہے۔

مسلمان خواہ دنیا کے کسی خطہ میں ہو، انہیں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہی زندگی گذارنی ہے اور کتاب وسنت کے فیصلوں کے سامنے ہمیشہ سرِ تسلیم خم رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا'' [النساء/۶۵] (سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے)۔

اللہ اور رسول کا فیصلہ کیسے معلوم ہوگا؟ قاضی کے فیصلہ کے ذریعہ، اس لئے مسلمان خواہ کسی علاقہ میں ہو، نظام قضاء کا قائم کرنا ان پر واجب ہے، متعدد فقہاء نے بار بار اس بات کو لکھا ہے، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

''وہ ممالک جہاں مسلمان مغلوب ہیں جیسے قرطبہ اور بلنسیہ آج کے زمانے میں، ایسے ملکوں میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی ایک شخص کے امیر ہونے پر متفق ہو جائیں اور وہی امیر ان کے لئے قاضی مقرر کرے، یا خود خصومات کی سماعت کر کے فیصلہ کرے''۔

چنانچہ ہندوستان میں جب انگریزوں نے تسلط حاصل کر لیا تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں ہندوستان کے مسلمانوں پر نظام قضاء کے قیام کو لازم قرار دیا اور مختلف علماء نے اس کے لئے کوششیں کیں، بالآخر اس عظیم فریضہ محکمہ کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھایا اور انہوں نے بہار واڑیسہ میں نہایت منظم طریقہ پر نظام قضاء قائم فرمایا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو شروع سے نظام قضاء کی اہمیت کا احساس ہے، اجلاس جے پور میں اس کے لئے باضابطہ تجویز منظور ہو چکی ہے اور بورڈ نے بار بار علماء اور ارباب حل وعقد کو اس جانب متوجہ کیا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ پورے ملک میں نظام قضاء کا جال بچھا دیا جائے اور مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی جائے کہ وہ اپنے نزاعی معاملات کو قاضیوں کے ذریعہ حل کریں، دار القضاء کے پاس گو پولس کی طاقت نہ ہو، لیکن اس کے ہاتھوں میں اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت ہوگی اور اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول کی مرضیات کا آئینہ دار ہوگا، انشاء اللہ یہی چیز مسلمانوں کو دار القضاء تک کھینچ کر لائے گی، انہیں انصاف بھی ملے گا، وہ عدالتوں میں بار بار حاضری کی ذلت سے بھی بچیں گے، جھوٹی قسموں سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کریں گے، بلا وجہ کثیر رقم کے بے جا خرچ سے بھی اپنے آپ کو بچا سکیں گے، اور اسلام کے سماجی قوانین میں جو راحت، جو عدل، جو رعایت اور عافیت ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے، حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو ان کے جائز حقوق دلانے کی اس سے بہتر کوئی اور صورت نہیں، حقوق خواہ کتنے بھی مقرر کر لئے جائیں، اگر وہ حاصل نہ

ہوسکیں اوران کے حصول کوآسان نہ بنایا جاسکے تو ان کا کچھ فائدہ نہیں۔

۲۔قانون شریعت کی افادیت کا ادراک:

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ ہم خود قانون شریعت اوراس کی اہمیت سے واقف ہوں اوراپنے آپ کو اتنا باشعور بنائیں کہ نہ صرف دوسرے مسلمانوں بلکہ اپنے غیرمسلم بھائیوں کو بھی ان قوانین کی افادیت، فطرت انسانی سے ان کی مطابقت اورانسانی زندگی کے لئے ان کی اہمیت بتاسکیں اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کرسکیں، کیونکہ یہ جمہوریت کو بچانے اور سیکولرزم کی حفاظت کرنے کی لڑائی ہے، اس میں ہمیں دوسری اقلیتوں اورخود اکثریتی فرقہ کے سیکولر اذہان کے حامل اشخاص کو بھی ساتھ لینا ہے اس لئے کہ یہ محض مسلمانوں کا مسئلہ نہیں بلکہ اس ملک میں مذہبی قدروں کی بقا کا مسئلہ ہے، افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی جنھوں نے یا تو اسلام کو پڑھا نہیں یا مستشرقین کی کتابوں میں پڑھا ہے، وہ خود اسلام کے تئیں غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

۳۔احکام شریعت پر عمل:

دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ ہم خود قانون شریعت پر عمل کریں، حقیقت یہ ہے کہ ہم خود ہی اللہ اوررسول کے احکام کو توڑتے ہیں، عورتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کو روا رکھتے ہیں، بیٹی کو میراث نہیں دی جاتی، بیوہ کو اس کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے، شادیوں میں جہیز اور تلک کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو قطعاً ناجائز اورحرام ہے، بڑی تعداد میں بارات لے جائی جاتی ہے، بعض لوگ عورتوں کو لٹکا کر چھوڑ دیتے ہیں نہ ان کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ انہیں طلاق دے کر اپنے نکاح سے آزاد کرتے ہیں، محض جذبہ عناد کے تحت ایک سے زیادہ نکاح کئے جاتے ہیں اور بیویوں کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ نہیں کیا جاتا، کسی ضرورت شرعی کے بغیر محض وقتی اشتعال کے تحت طلاق دی جاتی ہے اوروہ بھی ''ایک'' نہیں بلکہ ''تین''۔ غرض بہت سی معاشرتی بیماریاں ہیں جو کچھ تو جہالت اورخدا ناترسی کی وجہ سے ہیں، اور کچھ برادران وطن کے رسم ورواج سے متاثر ہوکر ہمارے سماج میں گھس آئی ہیں، اگر ہم نے ان برائیوں کو دور نہیں کیا اورخود اپنے اوپر قانون شریعت کو نافذ نہیں کیا تو اللہ کی مدد ہم سے اٹھ جائے گی، اورظاہر ہے کہ نصرت خداوندی کے بغیر ہمارا یہ کارواں آگے نہیں بڑھ سکتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنی بداعمالیوں اورکوتاہیوں کی وجہ سے دوسروں کو اس بات کا موقع فراہم کیا ہے کہ وہ قانون شریعت پر انگلیاں اٹھائیں اورشریعت مطہرہ کے خلاف زبان کھولیں، اس سے زیادہ بدنصیبی اور بدبختی کیا ہوسکتی ہے کہ ہم اللہ اوراس کے رسول کے احکام پر انگشت نمائی کا ذریعہ بنیں!

۴۔اتحاد امت:

تیسری ضروری چیز امت کا اتحاد واتفاق ہے، ۱۹۷۲ء میں ہمارے بزرگوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صورت میں ایک ایسا قافلہ ترتیب دیا جس میں حوصلہ تھا، جذبۂ اتحاد تھا، قانون شریعت کے تحفظ کا عزم تھا، اور ہر قیمت پر راہ کی مشکلات سے گذر کر منزل تک پہنچنے کا پختہ ارادہ تھا، یہی چیز تھی جس نے حکومت کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا، اوراسی وجہ سے مختلف مواقع پر قانون شریعت کی حفاظت کی مہم میں ہم نے کامیابیاں حاصل کیں، اورآئندہ بھی یہی اتحاد ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔

مصیبت اور آزمائش دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کردیتی ہیں، جب سیلاب آتا ہے اورآندھیاں اٹھتی ہیں تو شیر اور ہاتھی اورسانپ اور بیولے بھی مل کر اپنی جان بچاتے ہیں، آج مسلمان آزمائش کی اسی گھڑی میں ہیں، فرقہ پرست طاقتیں اقتدار کے نشہ میں ہیں اور وہ علانیہ مسلمانوں کو قانون شریعت سے محروم کرنے اور ہم پر خودساختہ قوانین کو مسلط کرنے کے درپے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ہماری صفوں میں انتشار پیدا کریں تاکہ ہمارا شیرازہ بکھر جائے کیونکہ ایک کمزور اوربکھری ہوئی قوم کو اپنی گرفت میں لینا آسان ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم ہر طرح کے گروہی، مسلکی اور جماعتی اختلافات سے اوپر اٹھ کر مشترکہ مسائل میں اتحاد کا ثبوت دیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَلاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ'' [الانفال/۴۶] (اور آپس میں نہ جھگڑو، پس بزدل ہوجاؤ گے اورجاتی رہے گی تمہاری ہوا)۔

آخری بات:

اگر ہم اپنی صفوں کو متحد رکھیں گے، اشتعال سے بچتے ہوئے تدبر اور حکمت عملی کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں گے، اللہ کے دین کی محبت ہمارا زادسفر ہو اورحوصلہ وہمت ہمارا ہتھیار، باہمی اعتماد اور ہر حال میں نظم واجتماعیت کے ساتھ رہنے کا عزم، تو کوئی طاقت نہیں جو ہماری راہ میں رکاوٹ بن سکے اورہمیں منزل مقصود تک پہنچنے سے روک سکے، وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ۔ ۞۞

پھر تازہ کرو عزم کہ شریعت میں مداخلت گوارا نہیں

محمد عبدالرحیم قریشی (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

مسلمانو! حالات کروٹ بدل رہے ہیں۔ مستقبل کے بارے میں کئی اندیشے سامنے آرہے ہیں۔ حالیہ الیکشن میں ان کو اقتدار ملا ہے جو مسلمانوں اور دیگر مذہبی اقلیتوں کی انفرادیت کو تسلیم نہیں کرتے اور ان اقلیتوں کو اپنے اکثریتی سماج میں ضم کرنے کا نصب العین رکھتے ہیں اور بالخصوص مسلمانوں کے دینی تشخص کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور سارے ہندوستانیوں کو اکثریتی سماج کے تمدن اور اس کی تہذیب میں ضم کرکے وہ یکسانیت قائم کرنا چاہتے اور سمجھتے ہیں کہ تہذیب وتمدن کی اس یکسانیت سے ملک طاقتور ہوگا اور ملک میں اندرونی اتحاد مضبوط ہوگا۔

یہ خیال خام ہے یورپ کے ممالک انگلستان، جرمنی اور فرانس کی تہذیب ایک، تمدن ایک، نسل ایک کپڑوں کی نوعیت، اٹھنے بیٹھنے کا چلنے پھرنے کا، کھانے پینے کا انداز ایک صرف زبانیں مختلف، اتنی ساری یکسانیتوں کے باوجود ساری دنیا میں تباہی مچانے والی دو عالمگیر اور عظیم جنگیں ان ہی ممالک کی باہمی لڑائی کا نتیجہ تھیں، زبان کی یکسانیت بھی انگلستان کے عوام کے درمیان جنگ وجدال کو نہ روک سکی۔ یہ سمجھنا کہ مذہب، تہذیب اور تمدن کی یکسانیت ہندوستانیوں میں فولادی اتحاد پیدا کرے گی۔ یہ خیال احمقانہ ہے بلکہ اس سے باہمی بے اعتمادی پیدا ہوگی جو کسی بھی وقت آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے گی اور ساری تعمیر وترقی کو ریزہ ریزہ کردے گی۔ باہمی اعتماد کے لئے اس احساس کو ابھارنا اور اجاگر کرنا ضروری ہے کہ جو مجھ کو اپنی ذات سے زیادہ عزیز ہیں ان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے اور اس ملک میں وہ محفوظ ہیں عقیدہ اور مذہب بھی ایسی ہی چیز ہے جس کو انسان اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اس کے لئے بڑے سے بڑا نقصان اٹھانے، حتیٰ کہ جان دینے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لئے اکثریتی مذہب، تہذیب وتمدن کو اقلیتوں پر مسلط کرنے کے نتیجہ میں بڑی دھماکو صورت حال پیدا ہوگی جس کا اندازہ ہندوتوا او یوں کو نہیں ہے۔

جو اندیشے مسلمانوں کے اطراف منڈلارہے ہیں ان میں ایک یونیفارم سیول کوڈ کی تدوین اور اس کے ملک میں نفاذ کا ہے۔ ہندوستان میں تمام تعزیراتی (PENAL) فوجداری اور دیوانی (CIVIL) قوانین یکساں ہیں ان کے نفاذ اور اطلاق میں ہندو مسلمان، سکھ عیسائی، بودھ، پارسی کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں، سب پر ان کا اطلاق اور نفاذ ہوتا ہے۔ فرق صرف پرسنل لا یعنی عائلی قانون کے بارے میں ہے۔ پرسنل لا سے مراد وہ قوانین ہیں جو ایک خاندان کی تشکیل اور خاندان کے افراد کے درمیان حقوق اور ذمہ داریوں کے تعین کے بارے میں ہوتے ہیں خاندان وجود میں آتا ہے ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان شادی بیاہ سے اور اس خاندان کے افراد، ماں باپ، بھائی بہن، بیٹا بیٹی کے درمیان فرائض وحقوق کا معاملہ آتا ہے اور اس قانون کی آخری منزل، موت کے بعد مرنے والے کی چھوڑی ہوئی جائیداد کی تقسیم یعنی وراثت اور جانشینی سے متعلق ہے اور یہ تمام معاملات وہ ہیں جو مذہب طے کرتا ہے اس لئے شادی، علیحدگی، نفقہ، ترکہ وارثت، ہبہ، وصیت کے بارے میں ملک کے ہر مذہبی طبقے کے اپنے قوانین ہیں (۱۹۵۰) کے دہے میں حکومت ہند نے ہندوؤں کے لئے یکساں قوانین بنانے کی کوشش کی کیونکہ ہندوؤں میں ذاتی، علاقے اور طبقے کے اعتبار سے قوانین الگ الگ تھے۔ مگر حکومت اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہی کیونکہ ہر قانون میں رواج کو تسلیم کرتے ہوئے رواج کی موجودگی میں قانون کو نظر انداز کرنے اور اس سے صرف نظر کی اجازت دی گئی۔ ذاتی اور طبقے کے ساتھ ساتھ شمال اور جنوب کی ایک ہی ذاتوں کے رواج میں اختلاف ہے۔ جنوبی ہند میں تامل ناڈو،

کرناٹک اور سیماندھرا میں ماموں اور بھانجی کے درمیان بیاہ عام ہے۔ بہن اپنے چھوٹے بھائی کو مجبور کرتی ہیکہ وہ اس کی بیٹی سے بیاہ کرے ورنہ وہ ناراض ہوجاتی ہے۔شمالی ہند کے ہندوؤں میں ایسا کوئی خیال بھی پاپ ہے، ایسی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں غرض یہ کہ ملک کے ہندوؤں میں پرسنل لا کی یکسانیت پیدانہیں کی جاسکی اور نہ کی جاسکتی ہے۔عام ہندو یونیفارم سیول کوڈ سے یہی سمجھتا ہے کہ قانون رہے گا لیکن رواج پرعمل کرنے کی اجازت بھی رہے گی۔بس یہی چاہے ملک کے عوام کے اس بڑے طبقے کی اس غلط فہمی کو دور کرنا ضروری ہے تاکہ وہ محسوس کرسکیں کہ یونیفارم سیول کوڈ بنے گا تو ان کے رواج بھی ختم ہوں گے۔ان میں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ سیول کوڈ سے صرف مسلمانوں کا قانون ختم ہوگا ہمارے رواج باقی رہیں گے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انھیں اللہ اوراس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قوانین پر چلنا ضروری ہے۔ان قوانین کا دائرہ بہت وسیع ہے شریعت میں وضو کے مسائل بھی داخل ہیں،نماز پڑھنے کا طریقہ بھی،عبادتوں کے علاوہ لین دین،رقمی معاملات،سرمایہ کاری کے اصول اور ساتھ ہی جرائم اوران کی سزااور پھر عائلی قوانین یعنی پرسنل لا بھی شامل ہیں۔ لیکن ظاہر ہے معاشیات، جرائم وسزاوغیرہ کے قوانین کے تعلق سے ان کا نفاذ حکومت کی ذمہ داری ہے ایسے ملک میں جہاں اسلامی حکومت نہ ہو مسلمان ان معاملات میں اضطراراً بری الذمہ ہیں۔لیکن جہاں تک عائلی قوانین یعنی پرسنل لا کا تعلق ہے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حاکم ہو کہ محکوم،اکثریت میں ہو کہ اقلیت میں،ان پرعمل کرے۔چنانچہ جہاں جہاں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے عائلی معاملات کے تعلق سے، احکامات نازل فرمائے وہاں یہ ضرور فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود ہیں، ان حدوں سے آگے مت بڑھو، ان حدوں کومت پھلانگو۔جن رشتوں میں نکاح کوحرام قراردیا گیا ہے کوئی مسلمان، چاہے کہیں رہے، چاہے اس کی کوئی حالت ہو، ان رشتوں میں نکاح نہیں کرسکتا،مرد پر بیوی بچوں کی کفالت کی ذمہ داری عائد کی گئی ہر مسلمانوں کواس ذمہ داری کو نبھانا پڑے گا۔اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ عائلی معاملات میں مسلمان کے لئے لازم ہے کہ شریعت پرعمل کرے اوران احکامات کے خلاف عمل نہ کرے۔ یہ بات بالکل واضح ہے شریعت کے عائلی قوانین، دین اسلام کا اٹوٹ حصہ ہیں اور مسلمانوں کوان پرعمل کرنالازمی اورضروری ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آرا اور یہاں کے عوام کے مختلف طبقات کے اس دین کوقبول کرنے کے ساتھ شریعت کے عائلی قوانین پرعمل شروع ہوا اوران معاملات کے بارے میں کوئی نزاع پیدا ہوا اور یہ معاملہ قاضی یا حاکم کے پاس جاتا تو تصفیہ شریعت کے مطابق ہوتا۔انگریز کے اقتدار سنبھالنے کے بعد قاضی کی سرکاری حیثیت ختم ہوگئی لیکن ایک عرصہ تک عدالتوں میں انگریز حاکم کے ساتھ مسلم پرسنل لا (شریعت کے عائلی قوانین) سے واقف مفتی اور ہندوؤں کے لئے ایک شاستر ہوتا اور حاکم مسلمانوں کے لیے معاملات کومفتی کی رائے کے مطابق اور ہندوؤں کے معاملات کوشاستر کی رائے کے مطابق طے کرتا۔ جب انگریزی زبان میں ان قوانین کی اہم کتابوں کا ترجمہ ہوگیا تو عدالتوں سے یہ عہدے برخاست کردیے گئے۔اس کے بعد ایک مقدمہ گجرات میں اس نوعیت کا آیا کہ ایک مالدار مسلمان کے مرنے پراس کے اکلوتے بیٹے نے تمام جائیداد پر قبضہ کرلیا،اس کی ایک لڑکی بھی تھی اس کو کوئی حصہ نہیں دیا۔لڑکی نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ بھائی کا کہنا تھا کہ ہم چند پشت پہلے ہندو تھے اور ہمارے خاندان میں ہندورواج پرعمل رہا ہے اوراس کے مطابق لڑکی، اپنے باپ کے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں پاتی، یہ مقدمہ بڑھتے بڑھتے لندن کی پرائیوی کونسل تک پہنچا۔ان دنوں سپریم کورٹ نہیں تھا اور پرائیوی کونسل ہی سب سے اعلیٰ عدالت تھی۔اس نے بھی رواج کے مطابق بیٹی کوترکہ میں حصہ سے محروم کردیا۔اس فیصلہ سے ملک کے مسلمانوں اور خصوصاً مسلم علماء میں بڑی ناراضگی پیدا ہوئی اور انگریز حکومت سے مطالبے ہونے لگے کہ شریعت کا قانون عدالتیں نافذکریں، رواج کی کوئی اہمیت عائلی معاملات میں نہیں۔ ہندوستان کی انگریزی حکومت نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کا مطالبہ بہت صحیح اورواجبی ہے،اس لئے ۱۹۳۷ء میں مسلم پرسنل لا (شریعت) اپلی کیشن ایکٹ مدون کیا گیا۔اس قانون کی اصل دفعہ یہ ہے کہ اگر مسلمان فریقین کے درمیان نزاع، نکاح، طلاق، خلع، فسخ، مبارات، نفقہ، حضانت، ترکہ، وارثت، ہبہ ووقف سے متعلق ہے تو عدالت اس نزع کا

تصفیہ شریعت کے مطابق کرے گی۔ یہ قانون اب بھی ملک میں نافذ ہے۔ البتہ دو مسائل میں سپریم کورٹ کے فیصلوں کی بنیاد پر عدالتیں ایسے فیصلے دیتی ہیں جو مسلم پرسنل لا یعنی شریعت کے مطابق نہیں ہیں ملک کی تمام عدالتیں پابند ہیں کہ کسی قانون کے بارے میں جو تعبیر سپریم کورٹ اختیار کرے اسی کے مطابق فیصلہ دیں۔ سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ یہ ہے کہ طلاق سے پہلے تحکیم کا مرحلہ ضروری ہے کہ شوہر اور بیوی کے بزرگ بیٹھیں اور دونوں کے درمیان اختلافات کا حل نکالیں اس کوشش میں ناکامی کے بعد ہی طلاق دی جاسکتی ہے اگر تحکیم کے بغیر طلاق دی جائے تو وہ معتبر نہ ہوگی اسلام میں تحکیم پسندیدہ اور مستحسن ہے لیکن شرط لازم نہیں ہے۔ سپریم کورٹ نے اس کو شرط لازم قرار دے کر اسلامی قانون کی غلط تعبیر کی ہے سپریم کورٹ کا دوسرا فیصلہ جو مداخلت کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ طلاق کی صورت میں مطلقہ کو اگر وہ خود آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ رکھتی ہو تو اس کے دوسرے نکاح تک ورنہ تا عمر نفقہ ادا کیا جائے ان فیصلوں پر مکرر غور کروانے کی خاطر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے چند اپلیں سپریم کورٹ میں داخل کروائیں لیکن سپریم کورٹ نے ان کو سماعت کے لئے قبول کرنے (ADMISSION) سے ہی انکار کردیا۔ پرسنل لا بورڈ انشاء اللہ ۳۱/ مئی اور یکم / جون کو جلگاؤں میں منعقد ہونے والے مجلس عاملہ کے اجلاس میں اس پر غور کرے گا کہ کیسے ان دو معاملات میں شریعت کے قوانین کو بحال کروایا جائے۔ ان دو معاملات کے علاوہ ہندوستانی عدالتیں مسلم پرسنل لا کی بنیاد پر مسلمانوں کے عائلی معاملات میں فیصلہ دیتی ہیں۔

یہ ہے موجودہ صورت حال، مستقبل میں ایسی ناپاک کوششیں ہوسکتی ہیں کہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ کو بے اثر کردیا اور یکساں سیول کوڈ نافذ کیا جائے۔ مسلمان ایسی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان کی کوشش اس سمت میں بھی ہو کہ جو ہندو ذاتوں اور طبقات اپنے رواج کو عزیز رکھتے ہیں ان کو ساتھ لیں اور وہ بھی یونیفارم سیول کوڈ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور دوسرے یہ کہ خود مسلمان اپنے اس عزم کو تازہ کریں جو شاہ بانو کیس فیصلے کے خلاف ان میں تھا اور اپنے عزم کے ساتھ یہ اعلان کریں کہ ہم مسلم پرسنل لا کی برقراری چاہتے ہیں اور کسی یونیفارم سیول کوڈ کو ہم برداشت نہیں کریں گے۔ یہ اعلان بار بار ہوتا رہے مسلمان کسی ایسے مرحلہ پر اس کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوں اور آئین کے دائرے میں کسی سخت سے سخت کوشش اور جدوجہد سے پیچھے نہ ہٹیں اور ثابت کردیں کہ ہندوستان کا مسلمان اپنے دین پر چلنے کا حق رکھتا ہے اور اپنے اس حق کو منوانے کے لئے وہ کسی قربانی سے گریز نہیں کرے گا۔

۞۞۞

بقیہ: دارالقضاء کمیٹی کی رپورٹ

قضاۃ کو ایک روز پہلے بلایا جائے تاکہ وہ امور قضاء سے متعلق کچھ دوسرے اہم معاملات پر بھی مشورہ کرسکیں، وکلاء و قضاۃ کی اس میٹنگ میں مذکورہ بالا دونوں موضوعات پر فیصلہ کیا جائے، نیز اس معاملہ پر بھی غور کیا جائے کہ مقامی طور پر دارالقضاء کو رجسٹرڈ کیا جانا مناسب ہے یا نہیں؟ اگر رجسٹریشن مناسب ہے تو اس کا بنیادی ڈھانچہ کیا ہونا چاہئے۔

(۲) میٹنگ میں یہ بات طے کی گئی کہ رواں سال میں ایک تربیتی کیمپ پونہ مہاراشٹر میں منعقد ہو اور دوسرا کیمپ لکھنؤ میں منعقد ہو، پونہ کا کیمپ مئی ۲۰۱۴ء میں منعقد کیا جائے اور لکھنؤ میں حضرت صدر بورڈ دامت برکاتہم کے مشورہ سے تاریخیں طے کی جائیں۔

(۳) اس میٹنگ کے شرکاء یہ محسوس کرتے ہیں کہ الحمد للہ ماضی قریب میں بورڈ کی تحریک دارالقضاء مضبوط ہوئی ہے اور اس کے کاموں میں تیزی آئی ہے خصوصاً آرگنائزر کی بحالی کے بعد اچھی پیش رفت ہوئی ہے، اس کام کی وسعت نزاکت اور امور قضاء میں رازداری کا تقاضہ یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی آفس میں اس کام کے لئے مخصوص جگہ، الماری اور مستقل کمپیوٹر و پرنٹر ہو تاکہ اس سے متعلق سارے ریکارڈس محفوظ کئے جاسکیں اور تحریری و مراسلتی کام سرعت وحفاظت کے ساتھ کیا جاسکے، اس لئے کمیٹی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ سے درخواست کرتی ہے کہ اس کے لئے مخصوص جگہ اور مستقل کمپیوٹر و پرنٹر کا نظم فرمائیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس تحریک کو حسن وخوبی کے ساتھ آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس تحریک کے لئے کوشش کرنے والے تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ۞۞۞

خواتین کے حقوق کا تحفظ

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی (رکن عاملہ بورڈ علی گڑھ)

اس وقت ایشیا، افریقہ اور مغرب ہر جگہ عورتوں کی آزادی، مساوات، ان کے حقوق کے تحفظ اور ان کے خلاف ناروا سلوک سے روک تھام کی بات ہو رہی ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر عورتوں کے اختیارات کی بات کہی جا رہی ہے۔ اس کے پیچھے دو طرح کی ذہنیت کام کر رہی ہے۔ ایک ذہنیت تو یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کے ظلم سے بچایا جائے اور ان کو مساوی حقوق دلائے جائیں۔ دوسری منفی ذہنیت ہے کہ ان کو گھر سے باہر نکال کر جنسی آسودگی حاصل کی جائے اور ان کو سامان جنس Sex object کے طور پر استعمال کیا جائے۔ یہ دونوں ذہنیتیں بیک وقت کام کر رہی ہیں۔

ظلم اور استحصال کا شکار خواہ کوئی بھی طبقہ ہو اسے کسی بھی حال میں جائز نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ سماج میں ظلم و استحصال کا پایا جانا اس کو برباد کرنے کے مترادف ہے اور اسے تہذیب و شائستگی سے محروم کر دیتا ہے۔ مگر انسانی سماج کی بدقسمتی یہ ہے کہ ہمیشہ سے طاقت ور طبقہ اپنے مفادات کو حاصل کرنے کے لیے کمزور طبقہ پر ظلم کرتا چلا آیا ہے اور کمزور طبقہ ظلم سہتا چلا آیا ہے۔ مذہب کی طرف سے ظلم و زیادتی کی مذمت اپنی جگہ، حکومت کی طرف سے ظلم پر سزا اور تعزیر کی دفعات اپنی جگہ اور مہذب سماج میں ظلم سے نفرت کا اظہار اپنی جگہ، مگر ظلم و استحصال کا سلسلہ بھی اپنی جگہ قائم ہے۔ اس کے ختم ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔

عورت مرد کے مقابلہ میں فطری طور پر کمزور ہے اس لیے ظلم کا شکار ہوتی ہے اور ظلم سہتی ہے۔ مگر جہاں وہ طاقت ور ہوتی ہے اور اسے اختیار ملتا ہے تو وہ بھی ظلم و زیادتی سے باز نہیں آتی۔ بہو پر ساس کی زیادتی کے مسلسل واقعات، عورت پر خود عورت کے ظلم و زیادتی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

گو کہ دنیا کے ہر گوشہ میں عورتوں کی آزادی اور مساوات کے نعرے سنائی دے رہے ہیں۔ مگر ظلم و استحصال کی اتنی شکلیں ایجاد ہو گئی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مظلوم طبقہ کو مدت تک یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ اس کا استحصال ہو رہا ہے۔ وہ شکاری کے خوش نما جال کو آزادی کی نیلم پری سمجھ لیتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؔ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا\
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

خود اپنے ملک کی حالت پر نظر ڈالیے، یہاں عورتوں پر تشدد اور ان کے خلاف امتیازی سلوک کا سلسلہ لڑکی کی پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ لڑکیوں کو جینے کا حق ہی نہیں دیا جاتا۔ شوہر حاملہ بیوی سے امید کرتا ہے کہ وہ بیٹا پیدا کرے گی، بیٹی نہیں۔ عورت بھی بیٹے کی پیدائش سے خوش ہوتی ہے، بیٹی سے نہیں۔ اس ذہنیت کا انجام یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے جنین کا الٹرا ساؤنڈ جیسی مشینوں کے ذریعہ معائنہ ہوتا ہے۔ اگر پیٹ میں پلنے والا لڑکا ہے تو اسے جینے کا حق دیا جاتا ہے اور اگر لڑکی ہے تو اسے جینے کا حق نہیں دیا جاتا بلکہ اسقاط (Abortion) کر دیا جاتا ہے۔

ہندوستان کے بڑے شہروں مثلاً بمبئی، بنگلور، دہلی، کلکتہ، لدھیانہ، احمد آباد، جے پور وغیرہ میں ہاسپٹل، شفاخانے اور نرسنگ ہوم بڑے پیمانہ پر دختر کشی کا کام انجام دیتے ہیں۔ وزارت صحت کی رپورٹ کے مطابق ہر سال تقریباً ۵/۱ لاکھ بچیاں ماں کی کوکھ سے نکال کر ختم کر دی جاتی ہیں۔ اس طرح گزشتہ بیس سالوں میں تقریباً ایک ملین لڑکیوں

کو ہمارے ملک بھارت میں زندگی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ یہ عمل مسلسل جاری ہے، حکومت نے سیکس ڈٹرمنیشن ایکٹ نافذ کر کے اس حرکت کو قانونی جرم تو بنا دیا ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والی فیملی کے خلاف سزا بھی مقرر کی ہے، مگر قانون کے ہاتھ سماج کے اس غیر انسانی عمل کو روکنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ اس سے ڈاکٹروں اور نرسوں کا کاروبار جڑا ہے اور یہ کاروبار بڑا نفع بخش ثابت ہوا ہے۔

اس کا فوری طور پر نقصان یہ ہوا ہے کہ ہندوستان کے ترقی یافتہ شہروں میں لڑکے اور لڑکیوں کا تناسب بگڑ گیا ہے۔ لڑکوں کی تعداد زیادہ ہے اور لڑکیوں کی تعداد بتدریج کم ہو رہی ہے۔ ہریانہ، پنجاب اور گجرات کے بعض علاقوں میں لڑکوں کے لیے رشتہ ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ لوگ باہر سے لڑکیاں لانے پر مجبور ہیں۔ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری میں ایک ہزار لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کا تناسب ۹۲۷ تھا، راجدھانی دہلی میں یہ تناسب اور بھی کم تھا، یعنی ایک ہزار لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کی تعداد ۸۶۸ تھی۔

یہ تعلیم یافتہ سوسائٹی اور مہذب دنیا کی صورت حال ہے۔ لڑکیوں کی تعداد کم کرنے کا جو رجحان پایا جاتا ہے وہ آگے چل کر خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے۔ کچھ ایسی ہی حالت اسلام کی آمد سے پہلے عرب کے معاشرہ میں پائی جاتی تھی۔ جسے ہم ''جاہلی معاشرہ'' کہتے ہیں۔ وہاں بھی لڑکیوں کو جینے کے حق سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ ان کا زندہ رہنا خاندان کے لیے رسوائی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے ان کو قتل کر دیا جاتا یا زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ قرآن پاک میں عربوں کی اس سماجی حالت کی منظر کشی اس طرح کی گئی ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ. يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ۔ (النحل:۵۸-۵۹)

(اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدا ہونے کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹنے لگتا ہے۔ قوم سے چھپا پھرتا ہے اس بری خبر کی وجہ سے۔ وہ سوچتا ہے کہ کیا اس بچی کو ذلت کے لیے رہنے دے یا مٹی میں دفن کر دے۔ کیا ہی برا ہے فیصلہ جو وہ کرتے ہیں۔)

ایک شخص رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم زمانہ جاہلیت میں بت پرست تھے اور اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے۔ میری ایک بیٹی تھی وہ میرے بلانے پر بہت خوش ہوتی تھی۔ جب بھی بلاتا وہ دوڑ کر آتی۔ ایک دن میں نے بلایا وہ دوڑ کر میرے پاس آئی۔ میں اسے ساتھ لے کر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک کنویں کے پاس آیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کنویں میں پھینک دیا۔ اس وقت بھی وہ ابّو ابّو کہہ کر مجھے پکار رہی تھی۔ یہ سن کر رسول پاک ﷺ اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی بھیگ گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے گناہوں کو اللہ نے معاف کر دیا ہے، نئی زندگی کا آغاز کرو۔[۱]

اگر آج کے زمانہ کی طرح عرب کے ان جاہلوں کے پاس ماہر ڈاکٹر ہوتے، نرسنگ ہوم ہوتے، الٹراساؤنڈ جیسی مشینیں ہوتیں، تو اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر کے وہ بدنام نہ ہوتے بلکہ نہایت مہارت اور خوبصورتی سے ماں کے پیٹ سے ہی نکال کر بچی کو پھینک دیتے اور دنیا کی نگاہوں میں تعلیم یافتہ اور مہذب بنے رہتے۔ یعنی

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

اسلام زندگی نواز ہے، اس کی تعلیم حیات آفریں اور روح پرور ہے۔ اس نے اولاد کو قتل کرنے کی تمام شکلوں پر پابندی لگائی۔ بچیوں کو زندگی سے محروم کرنے کی تمام کوششوں کو ناجائز ٹھہرایا اور خبردار کیا کہ:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ۔ (بنی اسرائیل:۳۳)

(جس جان کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو)

اولاد کو قتل کرنے والے اسلام کی نظر میں قاتل، سفاک اور مجرم ہیں، انسانیت کے خلاف گھناؤنے جرم کے مرتکب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من لایرحم لایرحم ۲؎

(جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا وہ رحم کیے جانے کا مستحق نہیں ہے۔)

جو لڑکیاں ماں و باپ کے قاتل ہاتھوں سے بچ کر دنیا میں اپنی جگہ بنالیتی ہیں، وہ اپنے گھروں میں امتیازی سلوک کا شکار ہوتی ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں کے مقابلہ میں کمتر سمجھی جاتی ہیں۔لڑکوں کی پیدائش پر ماں باپ مٹھائی تقسیم کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں جب کہ لڑکی کی پیدائش کو تنگ دلی کے ساتھ گوارا کیا جاتا ہے۔لڑکے کی ناز برداری کے سارے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ جب کہ لڑکیوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جاتا۔ پڑھے لکھے متمول گھرانوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے لڑکے کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو ان کے علاج معالجہ کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور مہنگا سے مہنگا علاج کراتے ہیں۔ سارے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، چاہے زمین جائیداد ہی کیوں نہ بیچنی پڑے۔ اور اگر ایسے ہی امراض کا شکار لڑکیاں ہو جائیں تو معمولی علاج پر اکتفا کرتے ہیں۔ علاج اگر مہنگا ہو تو دامن جھاڑ لیتے ہیں اور لڑکیوں کو ان کی قسمت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ ہندوستان کے بڑے ہسپتالوں میں اس طرح کے مسائل آئے دن پیش آتے ہیں۔

اس امتیازی رویہ اور جانب داری کا کوئی جواز انسانی، اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے نہیں ہے۔ جو لوگ مرد و زن کے مساوات کا نعرہ لگاتے ہیں وہ اس جانب داری کو گوارا کرتے ہیں۔ اسلام اس جانب داری کا شدت سے انکار کرتا ہے۔ بیٹے اور بیٹیوں میں یکساں سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہے اور والدین کو اس سلسلہ میں دنیا اور آخرت دونوں جگہ جواب دہی کا احساس دلاتا ہے۔

ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ ایک صحابیؓ بھی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں صحابی کا چھوٹا بیٹا آ گیا۔ انھوں نے اس بچہ کو پیار کیا اور اپنی گود میں بیٹھا لیا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی بیٹی بھی آ گئی۔ مگر انھوں نے نہ تو اسے پیار کیا اور نہ اپنی گود میں بیٹھایا بلکہ برابر میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ یہ منظر دیکھ کر رسول پاک ﷺ نے اس صحابیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے اپنی اولاد کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے اپنی بیٹیوں کی موت کی تمنا کی تو حضرت ابن عمرؓ ناراض ہو گئے اور اس آدمی سے فرمایا کہ کیا ان کے رزق کے مالک تم ہو؟ ۳؎

بہت سے لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے وراثت میں بیٹیوں کا حصہ بیٹوں کے مقابلہ میں آدھا رکھا ہے، یہ ناانصافی ہے۔ انصاف تو جب ہوتا کہ بیٹے اور بیٹیوں کو برابر کا حصہ دیا جاتا۔ اس طرح کا اعتراض کرنے والے عموماً وہ لوگ ہیں جو بہنوں اور بیٹیوں کو وراثت میں سے کوئی حصہ ہی نہیں دیتے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ شادی کے بعد بیٹی کی کفالت اس کے خاوند کے ذمہ ہے اور وہ اس کا ترکہ پاتی ہے۔ گویا اسے والدین سے بھی حصہ ملتا ہے اور سسرال سے بھی حصہ ملتا ہے، جب کہ لڑکوں کو اپنی کفالت اور بیوی کی کفالت بھی کرنی پڑتی ہے۔ خاندان کی معاشی کفالت مردوں کے ذمہ ہے، عورتوں کے ذمہ نہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسلام کے نظام وراثت میں حصہ پانے والے ذوی الفروض میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ حصہ پانے والے مرد صرف آٹھ ہیں جب کہ حصہ پانے والی عورتیں بارہ ہیں۔

لڑکیاں شادی کے بعد جب سسرال جاتی ہیں تو ہمارا ہندوستانی سماج ان کو ایک نعمت کے طور پر قبول نہیں کرتا بلکہ مال و دولت اور جہیز اور تلک کی آمد کا ذریعہ سمجھ کر قبول کرتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں لڑکیوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات حادثات سے گذرنا پڑتا ہے۔ شوہر اور سسرال والوں کی طرف سے طعن و تشنیع ہوتی ہے۔ جہیز اور مالی منفعت کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اگر پورا نہ ہو تو ذہنی و جسمانی اذیت سے سابقہ پڑتا ہے، خودکشی اور خودسوزی کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔

ہندوستانی سماج میں جہیز کے نام پر ہر سال سینکڑوں عورتیں خودکشی کر لیتی ہیں۔ گھریلو تشدد اس کے علاوہ ہے۔ خاندان کے جھگڑے، گھریلو مسائل، باہمی بے اعتمادی اور جذباتی فیصلے خواتین سے جینے کا حوصلہ

چھین لیتے ہیں، خاندانی نظام بکھر جاتا ہے، پرامن زندگی رنج وغم اور ماتم میں ڈوب جاتی ہے۔

ہندوستانی پارلیامنٹ نے ۲۰۰۵ء میں خواتین پر گھریلو تشدد کو روکنے کے لیے DWDVA ایکٹ بنایا تھا۔ اس ایکٹ میں خواتین کو حقوق ومراعات کے ساتھ بہت سے اختیارات بھی دیے گئے۔ یہاں تک کہ اگر بیوی شوہر اور سسرال والوں پر الزام لگائے تو اس کے لیے گواہوں کی ضرورت کو بھی کم کر دیا گیا۔ شوہر اگر طلاق دے دے تو اس کی املاک اور آمدنی میں اسے حصہ دار بھی بنا دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ خاندانی نظام کو منتشر ہونے سے روکا جائے اور عورتوں کو ظلم و زیادتی سے بچایا جائے۔ مگر اس ایکٹ کا خواتین نے غلط استعمال کرنا شروع کیا۔ ایسے واقعات تو بہت کم سامنے آئے جن میں بیویوں نے اپنے شوہروں کے خلاف حقیقی ظلم وزیادتی کی شکایت کی ہو۔ زیادہ تر ایسے واقعات رونما ہوئے جن میں عورتوں نے ظلم وزیادتی کی فرضی داستان بنا کر مردوں کو سزا دلوائی۔ وہی عورت جو پہلے مظلوم تھی اور مردوں کے ظلم کی شاکی تھی اب ظالم بن گئی اور مرد اس کے ظلم کا شکار ہونے لگے۔ اس طرح کے زیادہ تر واقعات تعلیم یافتہ خاندانوں میں ہوئے۔

میسور کے سیشن جج جناب موہن ایس سولنکی نے لا کالج میں خطاب کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ اس ایکٹ کے نافذ ہونے کے بعد ۹۰ فی صد مقدمات میں خواتین ایکٹ کا ناجائز استعمال کر رہی ہیں۔ انھوں نے مزید انکشاف کیا کہ فیملی تنازعات سے متاثر ہو کر خودکشی کرنے والوں میں ۶۵ فی صد مرد ہیں۔[۴]

ایک دوسری رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ ۲۰۰۷ء میں شادی شدہ خودکشی کرنے والے مرد ۵۶ ہزار تھے، جب کہ شادی شدہ خودکشی کرنے والی عورتوں کی تعداد ۳۰ ہزار تھی۔[۵]

غور کیا جائے کہ کل تک عورتیں مظلوم تھیں ان کو قانون کا سہارا ملا تو وہ ظالم بن گئیں۔ اس ایکٹ کے نافذ ہونے کے بعد ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ مردوں کو عورتوں کے ظلم وستم سے بچانے کی تدبیر کی جائے۔

خاندانی نظام باہمی اعتماد، محبت اور ایثار وتعاون سے چلتا ہے۔ حقوق وفرائض کے توازن سے چلتا ہے۔ حقوق طلبی اور فرائض سے چشم پوشی سے نہیں چلتا۔ باہمی اعتماد اور محبت کا فقدان اور آپسی کھینچ تان گھر کو جہنم میں تبدیل کر دیتا ہے اور ایسے وقت میں انسان اس رشتہ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے جس کا آسان راستہ خودکشی ہے۔

اسلام نے اسی لیے خاندانی نظام میں میاں وبیوی کی باہمی محبت، صبر وتحمل، ایثار وتعاون کو ازدواجی زندگی کا جوہر بتایا ہے یہ تعلق ختم ہو جائے تو سمجھیے سب کچھ ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ (الروم:۲۱)

(اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کر سکو اور تمہارے درمیان محبت ورحمت رکھ دی۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔)

میاں وبیوی کے درمیان سے محبت اور رحمت ختم ہو جائے اور نباہ کی صورت نہ رہے تو زندگی کو عذاب اور گھر کو جہنم میں تبدیل ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ ایسے وقت میں خوش اسلوبی سے علیحدگی بہتر ہے، مگر یہ فیصلہ ہمیشہ غیر جذباتی ماحول میں اور آخری چارہ کار کے طور پر ہونا چاہیے۔

حواشی ومراجع:

۱۔ سنن دارمی
۲۔ الادب المفرد، باب قبلۃ الصبیان
۳۔ الادب المفرد، باب من کرہ ان یتمنی موت البنات
۴۔ دکن ہیرالڈ، ۲۷؍ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۔ ہندو ممبئی، ۲۶؍اکتوبر ۲۰۰۹ء

پوتوں کی وراثت

مولانا مفتی محمد عبید اللہ اسعدی (رکن بورڈ، باندہ یوپی)

''یتیم پوتے کی وراثت'' کا موضوع مسلمانوں کے عائلی مسائل میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اور ہمارے ملک میں ایک طویل عرصہ سے موضوع بحث بنا ہوا ہے، حتی کہ تقسیم ہند سے قبل اور انگریزی عہد میں بھی اس بابت گفتگو ہوتی رہی اور اس وقت کے ہمارے ممتاز علماء نے اپنے حالات و وسائل کے اعتبار سے اس پر توجہ دی اور امت کی رہنمائی کی۔

معاملہ یہ ہے کہ عموماً لوگ اس مسئلہ میں جذباتیت اور صرف رحم و ترحم کی سوچ رکھتے ہیں اور مسئلہ کو سمجھنے میں ''یتیم اور پوتے'' تک رہ جاتے ہیں، وراثت - اس کی حقیقت وحکمت کو سمجھنے کی زحمت نہیں کرتے، نتیجہ ان کو شریعت کے اس حکم میں ظلم وزیادتی کا پہلو نظر آتا ہے اور بقول بعض ممتاز ارباب افتاء ۲۷ رصورتوں میں سے محرومی کی ایک شکل کو اہمیت دیتے ہیں اور ۲۶ رسے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، پھر یہ کہ دور دور سے سنتے، دیکھتے اور سمجھتے ہیں، جو لوگ مسئلہ کو صحیح طور پر جانتے، بتاتے اور سمجھاتے ہیں ان کے قریب جا کر ان سے سننے وسمجھنے کی سعی نہیں کی جاتی، جو حق وحقیقت ہے اس کا بھی علم نہیں ہوتا اور ایک خاص صورت کے حکم کو عام اور عمومی سمجھ کر اسلام، اور علماء اسلام کے حق میں الزام تراشی تک نوبت آجاتی ہے۔

دادا کے ترکہ میں پوتے کا حصہ اور پوتے کی شمولیت کی بہت سی شکلیں ہیں جن میں صرف ایک شکل محرومی کی ہے اور بقول استاذی مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ۲۶ رشکلیں حصہ پانے اور وراثت میں شمولیت کی ہیں لیکن اس ایک شکل کے پروپیگنڈے نے ذہن ایسا خراب کر دیا ہے کہ شریعت کا مستحکم ومستحسن نظام ظلم نظر آتا ہے۔ جبکہ ہماری شریعت، شریعت اسلامیہ وشریعت محمدیہ کا معاملہ یہ ہے کہ اس نے جانوروں کے بھی حقوق اس درجہ بتائے ہیں کہ ان کو ادا کر کے آدمی جنت و مغفرت کا مستحق قرار پاتا ہے اور ان کو ضائع کر کے اپنی آخرت کو برباد کرتا ہے تو انسانوں کے حقوق کا کیا کہنا۔ کمزور سے کمزور طبقہ وفرد کو وہ حقوق دیئے ہیں ان کی فکر وخیال اس حد تک کہ ان کو آسمان تک پہونچا دیا ہے، کتاب وسنت میں معاشرہ کے ہر کمزور فرد وطبقہ کی مدد ونصرت اور خیال وفکر کی ہدایات جابجا موجود ہیں جس میں غریب ومسکین اور یتیم و بیوہ سب شامل ہیں۔

جس شریعت کے نبی نے خود یتیمی کی زندگی گذاری ہو اور اس حال کو سمجھا و پرکھا ہو اور جس کا کردار قبل نبوت بھی یہ رہا ہو کہ اولین وحی کی آمد پر آپ کو جو ایک قسم کی فکر و پریشانی لاحق ہوئی تو آپ کی جاں نثار و وفا شعار زوجۂ مطہرہ نے آپ سے فرمایا: اللہ آپ کو ضائع نہیں کر سکتا

فواللہ لا يخزيك الله أبدا۔ فواللہ إنك لتصل الرحم۔ و تصدق الحديث، و تحمل الكل و تكسب المعدوم، و تقرى الضيف و تعين على نوائب الحلق (بخاری)

جس نبی کا یہ فرمان ہو

الساعى على الأرملة و المسكين كالمجاهد فى سبيل الله او القائم الليل والصائم النهار

اور

من قبض يتيما من بين المسلمين الى طعامه و شرابه ادخله الله الجنة البتته (ترمذی)

أنا و كافل اليتيم فى الجنة هكذا۔ (وأشار باصبعيه السبابة و الوسطى) (بخاری)

جس کی لائی ہوئی کتاب میں یہ ارشاد باری تعالی ہے

لکن البر من آمن باللّٰہ والیوم الآخر والملائکة والکتاب والنبین و اتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی والمساکین و ابن السبیل والسائلین و فی الرقاب (سورۂ بقرہ)

اوراس سے بڑھکر اما السائل فلا تنهر کے ساتھ اس سے پہلے اما الیتیم فلا تقهر فرمایا گیا ہے (سورہ والضحیٰ)

اس مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنے اور سمجھانے کے لئے فلسفۂ میراث و وراثت اور شریعت کے نظام وراثت کو سمجھنے کی ضرورت ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے اور ذی شعور انسانوں کے عقل وفہم کے عین مناسب، اور اسی کے ساتھ رحم وترحم، دوسروں کی مدد ونصرت اور خیال وکفالت کی نسبت سے شریعت کا جو نظام ومزاج ہے اس کو بھی پورے طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت نے ایک طرف وراثت کے مضبوط اصول بنائے ہیں کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق اور واقعی حق پورے طور پر ملے اور دوسری طرف وراثت کے نظام کو صحیح طور پر جاری کرنے کی صورت میں اگر کوئی ضرورتمند محروم رہ رہا ہو تو وہ وراثت سے محرومی کی بنا پر ضائع نہ ہو بلکہ اس کی پوری طور پر کفالت کی جائے اور اس کی جملہ ضروریات کو پورا کرنے کی فکر کی جائے۔

ہر اہم چیز کے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں دنیا والوں کے نزدیک بھی ہوتے ہیں چنانچہ دنیا کا نظام وراثت بھی خواہ کسی قوم وملک کا ہو یا کسی مذہب کا، آزاد اور بے سروپا نہیں ہے بلکہ محدود ہے اور اس کے کچھ حدود ہیں انہیں کی بنیاد پر وراثت کی تقسیم ہوتی ہے اور ہر رشتہ دار اور شریعت اسلامیہ نے تو ہر چیز کو منضبط ومنظم کر کے پیش کیا ہے تاکہ عدل وانصاف قائم ہو اور ظلم وجور کا دفعیہ کیا جاسکے۔

شریعت کا نظام وراثت یہ ہے کہ وارث کو ہر حال میں ترکہ ملے ہی، ضروری نہیں ہوتا کم وبیش بھی ہوتا ہے اور محرومی کی شکل بھی پائی جاتی ہے۔

۱۔ ہر دور وقریب کا رشتہ دار وارث نہیں ہوتا بلکہ صرف قریبی قرابتدار ہی وارث ہوا کرتے ہیں۔ وراثت کے نظام کو قرابت سے جوڑا گیا ہے قرابتداروں کی ضرورت سے نہیں، ورثہ یا ان میں سے بعض خواہ کتنے ہی مالدار کیوں نہ ہوں ترکہ میں ان کا مقررہ حق وحصہ ان کو ملنا ہے، اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور مورث کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ ایسا کوئی کام کر جائے جس کی وجہ سے مستحق وارث محروم ہو جائے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا واقعہ بخاری میں مذکور ومعروف ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر شدید بیمار ہو کر مایوس ہو گئے، تو انہوں نے اپنے کل مال کو صدقہ کرنا چاہا، اتفاق سے اس وقت ان کی ایک بیٹی تھی جو مالدار تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بمشکل تہائی کے صدقہ ووصیت کی اجازت دی اور ارشاد فرمایا۔ جس میں بڑی عبرت وتعلیم ہے۔

انك ان تذر ورثتك اغنیاء خیر من أن تترکهم عالة یتکففون الناس۔

۲۔ ان قریبی قرابتداروں کو اس طرح محدود کیا گیا ہے کہ وہ میت کے اہل خانہ، ماں وباپ، میاں وبیوی اور اولاد ہیں، ماں باپ کے زمرہ میں ان سے اوپر کے لوگ، اولاد کے زمرہ میں ان سے نیچے یعنی اولاد در اولاد، نیز ماں وباپ کی اولاد کو بھی اسی فہرست میں رکھا گیا ہے یعنی بھائی وبہن کو، اور کچھ اور لوگ بھی وارثوں کی فہرست میں شامل ہیں۔

۳۔ وارث ہونے والوں میں کچھ لوگوں کے حصہ متعین کر دیئے گئے ہیں اور کچھ کو حصے کی تعین کے بغیر وارث قرار دیا گیا ہے مثلاً زوجین میں سے ہر ایک کا حصہ متعین ہے، والدین میں سے ہر ایک کا متعین ہے، لڑکی یا بہن، (لڑکے وبھائی) کے بغیر ہو تو ان کا حصہ متعین ہے، اور اگر لڑکی کے ساتھ لڑکا یا بہن کے ساتھ بھائی ہو تو مرد کو عورت کا دوگنا دیا گیا ہے۔

۴۔ ایک اہم ضابطہ یہ ہے کہ مستحق ورثہ میں قریبی کی موجودگی میں دور والے کو وراثت نہیں ملتی، اسی لئے اولاد کے ہوتے ہوئے بھائی وبہن کو نہیں ملتا، اور حقیقی بھائی وبہن کے ہوتے ہوئے باپ شریک بھائی بہن کو حصہ نہیں ملتا۔

۵۔ اسی طرح جس کی قرابت بالواسطہ ہو تو واسطہ کے ہوتے ہوئے

اس کو حصہ نہیں ملتا، باپ موجود ہے تو دادا نیز بھائی و بہن مستحق نہیں ہوتے۔ صلبی اولاد موجود ہے حقیقی بیٹا و بیٹی ہو تو اولاد کی اولاد کو عموماً نہیں ملتا۔

۶۔ پوتے و پوتیوں کی قرابت بالواسطہ ہے، واسطہ موجود ہو تو پوتے و پوتی محروم ہوتے ہیں یعنی بیٹے اگر موجود ہوں تو پوتے و پوتی محروم رہتے ہیں خواہ موجود بیٹے کی اولاد ہوں یا دوسرے مرحوم بیٹے کی (جو اپنے باپ سے پہلے مر گیا تھا)

۷۔ واسطہ موجود نہ ہو یعنی بیٹا تو بیٹوں کی اولاد بہر حال وارث ہوتی ہے خواہ صرف پوتے ہوں یا صرف پوتیاں ہوں یا دونوں ہی ہوں اگر صرف پوتے ہوں تو وہ عصبہ پوتے ہیں متعین حصہ کے مستحق وارثوں کے بعد بچا ہوا ترکہ سب ان کا ہوتا ہے، اگر ان کے ساتھ پوتیاں بھی ہوں تو پوتے و پوتیوں کے درمیان للذکر مثل حظ الانثین کے مطابق تقسیم ہوتی ہے۔

۸۔ حتی کہ اگر صرف پوتیاں ہیں اور بیٹوں میں کوئی زندہ نہیں ہے تو پوتیاں حقدار و حصہ دار ہوتی ہیں دو یا زائد ہوں تو دو تہائی ان کو ملتا ہے، اگر ایک پوتی ہو تو آدھے ترکہ کی وہ مستحق ہوتی ہے۔

۹۔ یہی نہیں اگر ایک شخص کا انتقال ایک لڑکی اور ایک پوتی چھوڑ کر ہوتا ہے تو لڑکی چونکہ اقرب ہے تو اس کو آدھا ترکہ ملتا ہے اور ترکہ کا چھٹا حصہ پوتی کو ملا کرتا ہے، جیسے کہ اگر صرف ایک پوتی اور بہن ہو تو پوتی کو آدھا اور ترکہ کا چھٹا حصہ بہن کو ملتا ہے۔

۱۰۔ پوتا و پوتی - بیٹے و بیٹی کی طرح ہی وارث ہوتے ہیں اور جیسے بیٹا و بیٹی کو ترکہ میں حصہ ضرور ملتا ہے، محرومی کا سوال نہیں اسی طرح اگر کسی کے انتقال کے وقت اولاد میں بیٹا و بیٹی نہ ہوں البتہ بیٹے کی اولاد پوتا و پوتی دونوں یا ایک، ایسا تو وہ اپنے باپ کی طرح شریعت کے ضابطہ کے مطابق وارث ہوتے ہیں۔

۱۱۔ ایک آدمی کا انتقال اس حال میں ہو کہ صرف ایک پوتا ہو، اور بیوی و ماں و باپ نہ ہوں تو اس کا کل ترکہ پوتے کو ہی ملتا ہے۔

۱۲۔ ایک آدمی کا انتقال اس حال میں ہو کہ دو یا زائد لڑکیاں اور ایک پوتا ہو تو لڑکیوں اور دیگر ذوی الفروض کو دینے کے بعد مابقی پوتے کو ہی ملتا ہے۔

۱۳۔ مرتے وقت صرف بیوی اور پوتا ہو تو بیوی کے حق کے بعد سب پوتے کا ہی ہوتا ہے۔

۱۴۔ قرآن کریم میں آیت میراث میں ورثہ کا حق وحصہ بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اولاد کا تذکرہ ہے، جس کے تحت بالاتفاق صلبی اولاد کے ساتھ بیٹوں کی اولاد بھی داخل و شامل ہے جبکہ آدمی کے مرتے وقت بیٹے زندہ نہ ہوں بلکہ پوتے ہوں اگر چہ ساتھ میں بیٹیاں بھی ہوں۔

ملاحظہ ہو سورہ نساء کی آیت

یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں فرائض و میراث کے بیان میں سب سے پہلے اسی آیت کا تذکرہ کیا ہے اور آگے وارثوں کا ذکر کرتے ہوئے اولاد، بیٹوں و بیٹیوں کا تذکرہ دوسروں سے پہلے کیا ہے۔ اور اس کے بعد مرنے والے کے بیٹے کے موجود نہ ہونے کی صورت میں پوتوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس بیان میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ جس پر پوری امت متفق ہے۔

ولدالابناء بمنزلة الولد۔ اذالم یکن دونهم ولد- ذکرهم کذکرهم و أنثاهم کأنثاهم یرثون کما یرثون اوراسی کے ساتھ یہ جملہ بھی نقل کیا ہے

ولا یرث ولد الابن مع الإبن

ایسے ہی بیٹی کے ساتھ اگر پوتی ہو تو نصف بیٹی کا اور ایک چھٹا حصہ پوتی کا اس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ پوتے و پوتیاں آدمی کی اولاد ہی ہوتی ہیں اس حیثیت سے شریعت نے ان کا پورا خیال کیا ہے مورث زندہ ہے تو اس پر ذمہ داری اور مر گیا تو اس سے ان کو وراثت ملتی ہے اور جیسا کہ آچکا ہے کہ دسیوں صورتوں میں پوتے و پوتی میراث میں حصہ دار و حقدار ہوتے ہیں بس ایک صورت ان کی محرومی کی ہے۔

یہ محرومی وراثت و ترکہ میں حصہ کی ہے، شریعت کے مقرر کردہ

ضابطوں کی وجہ سے، اور وراثت کے اصول و نظام کی وجہ سے، کہ مرنے والے کی حقیقی اولاد- بیٹا جب موجود ہے جو اقرب ہے تو بالواسطہ و دور کا وارث یعنی پوتا ترکہ میں حق وحصہ نہیں پائے گا۔

لیکن اس کا یہ مطلب کہ ایسی صورت میں پوتے و پوتی کو ضیاع کے لئے چھوڑ دیا جائے گا، اوران کی کفالت وخبر گیری کا کوئی نظام شریعت نے نہیں رکھا، ایسا نہیں ہے۔شریعت نے ان کی نگہداشت، کفالت، تربیت، گذر بسر کی فکر و ذمہ داری کا پورا پورا نظم کیا ہے، دنیا کے ہر نظام سے بڑھکر، مورث (دادا) کی زندگی میں بھی اوراس کے بعد کے لئے بھی۔جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

۱۔ شریعت کا نظام یہ ہے کہ جس انسان کے پاس گذر بسر کے ذرائع نہ ہوں اور وہ مجبور ہو (بچہ، نابالغ، مجنون، مفلوج وغیرہ نیز عورت) تو اس کی کفالت گھرانہ وخاندان کے ان قریبی افراد پر ہوتی ہے جو وارثوں میں شمار ہوتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے حق میں فرمایا گیا ہے وعلی الوارث مثل ذلك باپ پر نفقہ کی ذمہ داری کو بیان کرنے کے بعد یہ ذکر کیا گیا ہے اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے اور امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس کو بنیاد بنا کر یہ ذکر کیا ہے کہ کوئی شکل نہ بنے تو ماں پر یہ ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے حالانکہ شریعت نے عورتوں پر اپنے نفقہ کا بوجھ نہیں رکھا (کمانے کا) تو دوسروں کا کیسے ہوسکتا ہے مگر حالات کے تحت یہ بھی حکم ہے۔

لہذا یتیم پوتے کی کفالت دادا پر ہے، وہ ان کی پوری پرورش کا ذمہ دار ہے جبکہ وہ صاحب وسعت ہو۔

۲۔ اوراگر بالفرض وہ صاحب وسعت نہ ہوتو دوسرے ایسے اعزہ جو ورثہ کی فہرست میں ہوں جیسے چچا اور ماموں وغیرہ بھی

یہ سب یتیم کی کفالت کرکے اس کو اس لائق بنائیں گے کہ وہ خود اپنا بوجھ برداشت کر سکے۔

۳۔ دادا صاحب وسعت ہے تو اس کا یہ بھی فرض بنتا ہے کہ اپنے بعد کے لئے بھی پوتوں کے گذر بسر کا نظم کرے یوں کہ اپنی ملکیت کا ایک حصہ پوتوں کو باقاعدہ ہبہ کردے اوران کو اس کا مالک بنادے۔اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ دادا کی موت کے بعد ترکہ میں پوتوں کو حصہ نہیں ملے گا۔

۴۔ اوراگر ہبہ کی صورت نہ اپنا سکے تو کم از کم یہ تو کرے کہ اپنے بعد کے لئے پوتوں کے حق میں وصیت کرجائے کہ اس کے ترکہ میں سے ایک تہائی کے اندر ایک مناسب حصہ پوتوں کو دیدیا جائے تاکہ ان کی محرومی کی تلافی ہوسکے۔

آدمی کے لئے یوں تو وصیت کرنا ضروری نہیں ہے لیکن خاص حالات میں نہ صرف یہ کہ ایسی وصیت پسندیدہ واولی ہوجاتی ہے بلکہ ضروری ہوجاتی ہے جبکہ ایسا نہ کرنے میں اس قسم کے ضرورتمندوں کے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

۵۔ بات آچکی ہے کہ یتیم کی کفالت صرف دادا کی ذمہ داری نہیں بلکہ دادا نہ ہو یا دادا صاحب وسعت نہ ہو تو چچا کی ذمہ داری وہی ہے جو دادا کی ہے۔ چچا کو بھتیجوں کی پرورش وتربیت کی پوری فکر کرنی چاہئے اور ضرورت کے مطابق ان کو ہبہ ووصیت کی شکل اپنانی چاہئے۔

حتی کہ بالفرض دادا صاحب وسعت ہے مگر اس نے نہ ہبہ کیا اور نہ وصیت تو چچا کا فرض بنتا ہے کہ وہ محروم ومجبور بھتیجے کا خیال کرے اوراس پر خرچ کرے بلکہ مستقبل کے لئے اور مستقل نظم کے لئے ہبہ کی شکل اپنائے۔

۶۔ دادا و چچا وغیرہ اپنی ذمہ داری محسوس نہ کریں تو خاندان کے دیگر افراد نیز محلّہ ومعاشرہ کے ذمہ دار افراد کو چاہئے کہ دادا و چچا وغیرہ سے بات کرکے ان کو پوتے وبھتیجے کے لئے مناسب نظم پر مجبور کریں۔

۷ اور ایسی کوئی شکل نہ ہوسکے تو ایسی صورت میں حکومت کے ساتھ ساتھ معاشرہ کے صاحب وسعت افراد کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ کمزور، مجبور و بے بس افراد کی زندگیوں کو بچانے اوران کو قیمتی بنانے کی فکر کریں اوراس کے لئے ایثار وقربانی کریں۔

۸۔ آج ضرورت ہے کہ شریعت کے ان ٹھوس ومضبوط اور نہایت مفید کارآمد احکام ونظام کو اچھی طرح سمجھا جائے اورلوگوں کے درمیان اس کو پھیلایا وعام کیا جائے۔

۞۞۞

عائلی تنازعات کا شرعی حل

مولانا عتیق احمد بستوی (رکن عاملہ بورڈ لکھنؤ)

اسلام کی نظر میں نکاح وقتی لطف اندوزی کا معاہدہ نہیں ہے بلکہ ایسا پائیدار اور قابل احترام رشتۂ الفت ومحبت ہے جسے زندگی کے آخری لمحہ تک برقرار رکھا جانا چاہئے، اسی لئے اسلام میاں وبیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے اور رشتۂ نکاح برقرار رکھنے کی خاطر ایک دوسرے کی ناگوار اور خلاف مزاج باتوں کو انگیز کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جائز امور میں شوہروں کی اطاعت کریں؛ شوہروں کی اطاعت پر انھیں جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس عورت کا انتقال اس حال میں ہو کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو وہ جنت میں جائے گی۔ (ترمذی)

۲۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: عورت جب پنجوقتہ نمازیں پڑھے، ماہ رمضان کا روزہ رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ (ابونعیم فی الحلیۃ)

۳۔ حضرت ابوامامہؓ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی مومن نے اللہ کے تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی چیز حاصل نہیں کی، جس کا حال یہ ہو کہ اگر شوہر اسے کسی بات کا حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اگر شوہر اسے دیکھے تو وہ شوہر کو خوش کردے، اگر اس کے بھروسے شوہر کوئی قسم کھالے تو وہ شوہر کی قسم پوری کرے اور شوہر کی عدم موجودگی میں اپنی ذات اور شوہر کے مال کے بارے میں شوہر کی خیر خواہی کرے۔ (ابن ماجہ)

ازدواجی زندگی کامیاب اور خوشگوار بنانے کے لئے اگر ایک طرف بیوی کو شوہر کی اطاعت کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے تو دوسری طرف اس سے زیادہ تاکید سے شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، حتی کہ بیوی ناپسند ہونے کے باوجود اس کے ساتھ خوش اسلوبی اور حسن معاشرت کے ساتھ عائلی زندگی گزارنے کا حکم ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے۔

وعاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسى ان تكرهوا شيئا و يجعل الله فيه خيراً كثيراً۔ (نساء:۱۹)

حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی مومن مرد کسی مومن عورت کو سخت ناپسند نہ کرے، اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری عادتیں پسندیدہ ہوں گی۔ (مسلم)

اسلام نے مرد کے بہتر ہونے کی کسوٹی اسی کو قرار دیا ہے کہ اس کا رویہ بیوی کے ساتھ کیسا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے سب سے بہتر ہو اور میں تم سب میں اپنے اہل وعیال کے لئے سب سے بہتر ہوں۔ (ترمذی اور دارمی)

ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانا مرد اور عورت دونوں کی ذمہ داری ہے، لیکن فیملی کا سربراہ ہونے کی وجہ سے مرد کی ذمہ داری بڑھی ہوئی ہے، میاں، بیوی کے درمیان ناچاقی اور دوری پیدا ہونے کی صورت میں انتظامی سربراہ ہونے کی حیثیت سے شوہر کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنی ضد اور انا کو قربان کرتے ہوئے باہمی تعلقات درست کرنے کے لئے پیش قدمی کرے، اگر تعلقات کا بگاڑ خود اس کے اپنے رویہ کی وجہ سے ہے تو اپنی اصلاح کرے، اپنا رویہ درست کرکے بیوی کا دل جیتنے کی کوشش کرے، اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہے تو نرمی، خیر خواہی محبت اور حکمت کے ساتھ

بیوی کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے، ردعمل اور جذباتیت میں فوری طور پر کوئی سخت قدم اٹھانے کے بجائے نتائج اور عواقب پر غور کر کے افہام وتفہیم کے ذریعہ اپنے ہرے بھرے ازدواجی گلستان کو خاکستر بننے سے بچالے۔

قرآن کریم نے عائلی تنازعات کو حل کرنے کے لئے مرحلہ وار مختلف اقدامات کا حکم دیا ہے ہمیں یقین ہے کہ اگر انھیں بروئے کار لایا جائے تو زیادہ تر تنازعات بڑی آسانی کے ساتھ ختم کئے جاسکتے ہیں۔ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الرجال قوامون علی النسآء بما فضل اللّٰہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم فالصّٰلحت قنتٰت حفظٰت للغیب بما حفظ اللّٰہ والّٰتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلا ان اللّٰہ کان علیا کبیراًo و ان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللّٰہ بینھما...... (نساء:۳۴، ۳۵)

سورۂ نساء کی ان دو آیتوں میں میاں و بیوی کے تنازعات کو حل کرنے کے لئے مرحلہ وار چار اقدامات کا ذکر ہے۔

آیت ۳۴ کے ابتدائی حصہ میں شوہر کو فیملی کا سربراہ ونگراں قرار دیا گیا ہے، کیونکہ دنیا کی کوئی اجتماعی وحدت ایک شخص کو سربراہ مقرر کئے بغیر حسن وخوبی کے ساتھ نہیں چل سکتی اور گھر کی سربراہی کے لئے عام طور پر مرد ہی زیادہ موزوں ہوتے ہیں، افراد خانہ کو ڈسپلن کا پابند بنانے اور ان کی سرگرمیوں کو صحیح رخ دینے میں عموماً مرد زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔

شوہر کی قوامیت سے اس کا ڈکٹیٹر اور آمر مطلق ہونا مراد نہیں ہے بلکہ قوام سے مراد گھر کی انتظامی سربراہی اور افراد خانہ کی ضرورت کا خیال رکھنا نیز ان کی تعلیم وتربیت کے لئے فکرمند اور کوشاں ہونا ہے۔

اس آیت میں مرد کو قوام (نگراں وسربراہ) بنانے کے دو اسباب ذکر کئے گئے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا مرد کو عورت پر یک گونہ فضیلت عطا کرنا، اسی کی ترجمانی ایک دوسری آیت میں اس طرح کی گئی ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ واللّٰہ عزیز حکیم...... (بقرہ:۲۲۸)

(۲) بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے کی تمام ذمہ داریاں (تمام مالی ذمہ داریاں) شوہر کے ذمہ ہونا۔

اسی لئے ہمارے فقہاء صراحت کرتے ہیں کہ اگر بیوی مالدار اور صاحب ثروت ہو تو بھی اس کے نان ونفقہ اور رہائش کا بندوبست شوہر کے ذمہ لازم ہیں خواہ شوہر غریب ہی ہو، اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے اپنا خرچ خود اٹھاتی ہو، شوہر پر نان ونفقہ کا بار نہ ڈالتی ہو، بلکہ خود گھر کے اخراجات میں بھی اپنا پیسہ لگاتی ہو تو بھی اس کے شوہر کی قوامیت پر اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ مرد کو قوام (نگراں) مقرر کرنے کی اولین وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر یک گونہ فضیلت عطا فرمائی ہے، عموماً مردوں کو ان صلاحیتوں سے زیادہ مالا مال کیا ہے جن کی ضرورت گھر کی سربراہی میں پیش آتی ہے، لیکن خاندان کی تعمیر وتشکیل میں عورت کا حصہ مرد سے کسی طرح کم نہیں۔ گھر کے داخلی امور کی ذمہ داری اور نگرانی تمام تر عورت کی ہوتی ہے، مرد اور عورت عائلی نظام میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں، ان دونوں کے باہمی تعاون اور اعتماد ہی سے گھر کا انتظام بہتر طور پر ہوسکتا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت ۳۴ میں نیک عورتوں کی دو صفات بیان کی گئی ہیں (۱) نیک عورتیں شوہروں کی اطاعت گذار ہوتی ہیں۔ (۲) شوہر کی عدم موجودگی میں بھی اس کی آبرو اور مال کی حفاظت کرتی ہیں، اس آیت میں مذکور نیک بیویوں کی دونوں صفات کی وضاحت مندرجہ بالا احادیث سے ہوتی ہیں۔

''حفظت للغیب'' کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نیک بیویاں اپنے شوہروں کی رازدار اور پردہ پوش ہوتی ہیں، ازدواجی زندگی میں رازداری اور پردہ پوشی بہت اہم اور ناگزیر صفت ہے، اسی کلیدی صفت کو ایک آیت میں معجزانہ بلاغت کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو)

اگر کوئی عورت رازدار نہیں ہے، شوہر کی جو باتیں اسی تک محدود رہنی چاہئے اسے دوسروں تک پہنچاتی ہے، شوہر کے حریم کا تقدس برقرار نہیں رکھتی، شوہر کی عدم موجودگی میں غیر متعلق اور ناپسندیدہ افراد کو گھر میں جگہ دیتی ہے تو ایسی عورت شوہر کے لئے سوہان روح ہوتی ہے، اس کی عائلی زندگی کو

خوشگوار بنانے کے بجائے بے مزہ اور تلخ بنادیتی ہے۔

اس آیت میں نیک بیوی کی صفات بیان کرنے کے بعد ان عورتوں کوراہ راست پر لانے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے جو نیک بیوی کی صفات اپنے اندر نہیں رکھتیں، اپنی ازدواجی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتیں، جائز امور میں شوہر کی اطاعت نہیں کرتیں، شوہر کے مال اور آبرو کی حفاظت نہیں کرتیں بدمزاج یا بدچلن ہوتی ہیں، ایسی عورتوں کو راہ راست پر لانے کے لئے شوہروں کو مرحلہ وار تین اقدامات کی تعلیم دی گئی ہے۔

پہلا اقدام......وعظ ونصیحت، افہام وتفہیم

وعظ کا مفہوم ہے پوری فکر مندی، نرمی اور خیر خواہی سے بار بار سمجھانا، خدا کا خوف دلانا، آخرت کی باز پرس سے ڈرانا، اگر عورت کی طرف سے نافرمانی اور بے راہ روی کی صورت میں شوہر عورت کے مزاج اور نفسیات کو پہچان کر خیر خواہی اور فکر مندی کے جذبہ کے ساتھ اسے افہام وتفہیم کے ذریعہ راہ راست پر لانے اور اصلاح کرنے کی کوشش کرے گا تو انشاء اللہ اسے کامیابی حاصل ہوگی، وعظ سے مراد محض ڈانٹ پھٹکار اور غصہ کا اظہار نہیں ہے، عورت کی عزت نفس کا خیال کئے بغیر بے موقع ڈانٹ پھٹکار سے اکثر اوقات عورت کا آبگینۂ دل چکنا چور ہوجاتا ہے، اور اس کی اصلاح ہونے کے بجائے اس میں ایک طرح کی ضد پیدا ہوجاتی ہے۔

دوسرا اقدام......هجر فی المضاجع

اگر وعظ وتذکیر سے عورت کی اصلاح نہ ہوسکے تو شوہر اپنے طرز عمل سے بے رخی اور خفگی کا اظہار کرے، هجر فی المضاجع کا مفہوم بعض مفسرین نے ترک جماع بتایا ہے اور بعض نے ترک کلام، بعض مفسرین نے خواب گاہ میں بستر پر لیٹے ہوئے رخ دوسری طرف پھیر لینا بیان کیا ہے، ان سب اقوال کا حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنے رویہ اور طرز عمل میں تبدیلی لاکر اپنی ناراضگی عورت پر ظاہر کردے، بعض عورتوں کوراہ راست پر لانے میں یہ تدبیر زیادہ مؤثر اور کارگر ہوتی ہے۔

تیسرا اقدام......ہلکی مار پیٹ

اصلاح کی اوپر ذکر کردہ دونوں تدبیروں کے ناکام ہونے پر شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر شوہر کو اس بات کی پوری توقع ہو کہ ہلکی مار سے عورت کی اصلاح ہوجائے گی اور وہ راہ راست پر آجائے گی تو شوہر یہ اقدام بھی کرسکتا ہے، لیکن اس سلسلے میں چند شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) عورت کو مارنا اس سے انتقام لینے اور اپنے جذبات غضب کی تسکین کے لئے نہ ہو بلکہ اس کی اصلاح کی خاطر ہو، انتقامی جذبہ کے ساتھ مارنے میں اصلاح کے بجائے تعلقات خراب ہونے اور دوری بڑھنے کا زیادہ اندیشہ ہے۔

(۲) عورت کی کھلی ہوئی بے راہ روی اور نافرمانی دیکھ کر شوہر قرآن کی بتائی ہوئی دو ابتدائی اصلاحی تدبیروں کو آزما چکا ہو، ان تدبیروں سے عورت کی اصلاح نہ ہوسکی ہو اور شوہر کو پوری امید ہو کہ ہلکی مار مارنے سے بھی بیوی راہ راست پر نہ آسکے گی، اور اس کے اصلاح کی کوئی امید نہ ہو تو محض اصلاحی کورس پورا کرنے کے لئے بیوی کو مارنا درست نہیں ہے۔

(۳) صورت حال جو بھی ہو شوہر کو اس بات کی اجازت نہیں کہ بیوی کو شدید طور پر زدوکوب کرے، مختلف احادیث میں بیوی کو اس طرح مارنے سے منع کیا گیا ہے کہ اسے شدید چوٹ آئے یا اس کا جسم زخمی اور لہولہان ہوجائے یا ہڈی ٹوٹ جائے یا جسم پر مار کے نشانات ظاہر ہوں، چہرہ اور جسم کے نازک ترین اعضاء پر مارنا بالکل ممنوع ہے خواہ ہلکی مار ماری جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم لوگوں نے عورتوں کو اللہ کی امانت میں لیا ہے اور اللہ کے نام پر ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ کسی اجنبی کو تمہارے بستر پر نہ آنے دیں اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو انھیں ہلکے طور پر مارو، تم پر ان کا یہ حق ہے کہ ان کے کھانے اور رہائش کا نظم دستور کے مطابق کرو۔ (احکام القرآن للجصاص جلد۳ صفحہ ۱۵)

(۴) عورت کی بے راہ روی اور نافرمانی کی صورت میں دو ابتدائی اصلاحی تدبیروں کے ناکام ہونے پر ہلکی زدوکوب کا استعمال شوہر کے لئے لازم یا افضل نہیں ہے بلکہ بدرجۂ مجبوری اس کی صرف اجازت ہے، اسلام کسی بھی حال میں بیوی کو زدوکوب کرنے کی ترغیب اور ہمت افزائی نہیں کرتا بلکہ اس کی ہمت شکنی کرتا ہے، اسلامی قانون میں بعض حالات میں بعض شرطوں

کے ساتھ عورت کو ہلکی مار مارنے کی گنجائش بھی اس لئے رکھی گئی ہے کہ انسانی سوسائٹی کے بعض طبقوں میں عائلی زندگی کو قائم رکھنے اور بہتر بنانے میں اس سے چارۂ کار نہیں ہوتا، ورنہ اسلام ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے جس میں عورتوں کی عزت نفس کا پورا احترام ملحوظ ہو، انھیں مارنا تو دور کی بات ہے انھیں سخت سست بھی نہ کہا جائے۔

عہد نبوی میں ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ بعض حضرات نے رسول اکرم ﷺ سے بیوی کی زبان درازی اور بدزبانی کی شکایت اس مقصد سے کی کہ انھیں بیوی کو مارنے کی اجازت دے دی جائے، تو آپ ﷺ نے مارنے کی اجازت دینے کے بجائے رشتۂ نکاح ختم کرنے کا مشورہ دیا۔

مشہور تابعی حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ ''بیوی اگر شوہر کے حکم یا ممانعت کی مخالفت کرے تو بھی اسے شوہر نہ مارے گا بلکہ اس پر غصہ ہوگا'' قاضی ابن العربیؒ نے حضرت عطاؒ کی اس رائے کو ان کے عظیم تفقہ، فہم شریعت اور مواقع اجتہاد کی واقفیت کا ثمرہ قرار دیا ہے۔ (احکام القرآن لابن العربی جلد اول، صفحہ ۵۳۶)

بیویوں کو زدوکوب کرنے کے بارے میں منشأ شریعت کیا ہے اس پر درج ذیل حدیث سے پوری روشنی پڑتی ہے۔

حضرت ایاس بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو (یعنی بیویوں کو) نہ مارو، اس کے بعد حضرت عمرؓ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: عورتیں اپنے شوہروں کے خلاف بہت جری اور نافرمان ہوگئی ہیں، حضرت عمرؓ کی اس شکایت پر رسول اکرم ﷺ نے بیویوں کو مارنے کی اجازت دی، اس کے بعد رسول اکرمؐ کی ازواج مطہرات کے پاس بہت سی عورتوں نے اپنے شوہروں کی شکایت لے کر چکر لگائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کی زدوکوب کی شکایت لے کر آئیں، جو لوگ اپنی بیویوں کو زدوکوب کرتے ہیں وہ تم میں سے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ، بیویوں کو مارنے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن زدوکوب پر مکمل پابندی عائد کرنے سے سماج کے بعض طبقوں میں عورتوں کے سرکش اور نافرمان ہونے کے خطرے کے پیش نظر (جس کی طرف حضرت عمرؓ نے توجہ دلائی) زدوکوب پر قطعی پابندی بھی عائد نہیں کی۔

اگر میاں و بیوی اپنے اختلاف کو اپنے طور پر حل نہ کر سکے، دونوں کی باہمی کشاکش حد درجہ بڑھ گئی تو اس کشیدگی اور کشمکش سے صرف وہی دونوں متاثر نہیں ہوتے بلکہ دونوں کے خاندان اور سماج پر اس کے برے اثرات پڑتے ہیں، ان دونوں کا مسئلہ اب ان کا پرائیویٹ مسئلہ نہیں رہا بلکہ سماج کا مسئلہ بن گیا اس لئے اس مرحلہ میں مسلم سماج کو یا قاضی کو (جو مسلم سماج کے اجتماعی مصالح کا نگراں بھی ہے) ان دونوں کا الجھا ہوا مسئلہ سلجھانے کی قرآن نے دعوت دی، اسی کا طریقہ سورۂ نساء کی آیت ۳۵ میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ میاں و بیوی کے تعلقات جب حد درجہ خراب ہوگئے اور اس کی امید ختم ہوگئی کہ دونوں اپنا مسئلہ خود سلجھا سکیں تو قاضی یا مسلم سماج اس مسئلہ کا تصفیہ کرنے کے لئے دو پنچ مقرر کرے، ایک پنچ شوہر کے خاندان کا ہو اور دوسرا بیوی کے خاندان سے، یہ دونوں پنچ (حکمین) دیندار، معاملہ فہم اور مخلص ہونے چاہئے، ان کا کام یہ ہے کہ دونوں کی شکایت اور اختلافات کی روداد سن کر دونوں کی بدگمانی دور کرنے اور دونوں کا دل جوڑنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دونوں پنچ اگر خیرخواہی کے جذبہ کے ساتھ اصلاح حال کی کوشش کریں گے تو میاں و بیوی میں جوڑ اور ہم آہنگی کی شکل پیدا ہو جائے گی، اسی لئے حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ اگر حکمین (دونوں پنچ) آکر یہ رپورٹ دیتے ہیں کہ ہم لوگوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود میاں و بیوی میں ملاپ کی شکل پیدا نہ ہو سکی تو حضرت عمرؓ انھیں تنبیہ فرماتے کہ آپ لوگوں نے اصلاح کی پوری کوشش نہیں کی، دوبارہ کوشش کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر حکمین اصلاح حال کے مقصد سے کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ میاں و بیوی میں ہم آہنگی اور جوڑ پیدا کردے گا۔

اگر حکمین اصلاح حال میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کے نزدیک میاں و بیوی کے تنازعہ کا واحد حل رشتۂ نکاح کو ختم کر دینا ہے، اس صورت میں اگر شوہر بھی رشتۂ نکاح ختم کرنے پر آمادہ ہے تو مسئلہ آسان ہے، لیکن اگر شوہر اس پر آمادہ نہیں ہے تو کیا دونوں پنچوں (حکمین) کو شوہر کے آمادہ نہ ہونے کے باوجود رشتۂ نکاح ختم کرنے کا اختیار ہے اس میں ہمارے فقہاء کی دو

رائیں ہیں امام مالکؒ کے نزدیک اگر پنچوں کے نزدیک نکاح ختم کرنا ہی اس تنازعہ کا حل ہے تو وہ لوگ شوہر کے آمادہ نہ ہونے کے باوجود نکاح ختم کر سکتے ہیں اور اکثر فقہاء کے نزدیک پنچوں کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

میاں و بیوی کے تنازعات کو ختم کرنے کے لئے اور ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے سورۂ نساء کی آیت ۳۴،۳۵ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چار اقدامات تجویز کئے گئے ہیں اگر شریعت کے بتائے ہوئے اصول و ہدایت کی روشنی میں انھیں روبہ عمل لایا جائے تو اکثر خانگی جھگڑے خود ہی رفع دفع ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ طلاق اور تفریق کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

طلاق ناپسندیدہ چیز:

اسلام طلاق کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا مختلف احادیث میں رسول اکرم ﷺ نے طلاق کے انتہائی ناپسندیدہ ہونے کو واضح کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

جس طرح انتہائی مجبوری کے بغیر شوہر کی طرف سے اقدام طلاق سخت ناپسندیدہ ہے اسی طرح معقول سبب کے بغیر بیوی کا مطالبہ طلاق اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والا قدم ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

جس عورت نے بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا اس کے لئے جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (احمد، ترمذی وابوداؤد)

ابلیس میاں و بیوی کے درمیان تفریق سے کس قدر خوش ہوتا ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایئے۔

''حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر اپنے لشکر مختلف سمتوں میں روانہ کرتا ہے اس کا سب سے مقرب شیطان وہ ہوتا ہے جو فتنہ پردازی میں سب سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، اس کا ایک چیلا آکر اپنی کارگذاری بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ یہ کام کئے، ابلیس کہتا ہے: تم نے کوئی بڑا کام نہیں کیا، پھر ایک شیطان آکر اپنی کارگذاری بیان کرتا ہے کہ میں فلاں شخص کو بہکاتا ہی رہا یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرادی ابلیس اس شیطان کو قریب بلا کر کہتا ہے کہ تم نے کارنامہ انجام دیا ہے، ابلیس اس شیطان کو گلے لگا لیتا ہے۔''
(مسلم شریف، کتاب صفۃ المنافقین واحکامھم باب تحریش الشیطان)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں و بیوی کے درمیان تفریق ایسا عمل ہے جس پر ابلیس کو بے پناہ مسرت ہوتی ہے اور تفریق کا کارنامہ انجام دینے والے شیطان کو ابلیس شاباشی دیتا ہے اسے گلے لگا لیتا ہے، طلاق وتفریق پر ابلیس کے اس قدر خوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں گھر برباد ہوتا ہے دو خاندانوں میں عداوت مستحکم ہو جاتی ہے اور ابلیس کو اس وجہ سے فتنہ پردازی اور گمراہی پھیلانے کے بے پناہ مواقع حاصل ہو جاتے ہیں۔

طلاق ایک ناگزیر ضرورت:

رشتۂ نکاح کا ختم کیا جانا یا طلاق دینا خواہ کتنا ہی ناپسندیدہ عمل ہو لیکن اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا کہ یہ عمل کبھی انتہائی ناگزیر ضرورت بن جاتا ہے، بعض اوقات میاں و بیوی میں مزاجی ہم آہنگی نہیں ہو پاتی، دونوں شریف اور دیندار ہونے کے باوجود نباہ نہیں کر پاتے، کیوں کہ دونوں کے عادات واطوار اور مزاج میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے، اس طرح کے حالات میں اصلاح حال اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششوں کے ناکام ہونے کے بعد دونوں کو جبراً نکاح کی قانونی رسی سے باندھے رکھنا نہ ان کے لئے مفید ہوگا نہ سماج کے لئے، ازدواجی زندگی باہمی الفت ومحبت اعتماد وتعاون کی فضا ہی میں پروان چڑھ سکتی ہے۔ بدگمانی، بے اعتمادی، نفرت و عداوت کے ماحول میں نکاح کے مقاصد کسی طرح پورے نہیں ہو سکتے۔

اس لئے اسلام نے اس طرح کے حالات میں نکاح ختم کرنے کا راستہ کھلا رکھا ہے اور طلاق وتفریق کو ناپسند کرنے کے باوجود اس پر کامل پابندی عائد نہیں کی، زندگی کی ناگزیر ضرورتوں کو فنا نہیں کیا جا سکتا لہذا ان کا مناسب بندوبست کیا جانا چاہئے، شہر کے ترقی یافتہ اور فیشن ایبل محلوں میں بھی زیرزمین سیور لائن ڈالنی پڑتی ہے اگر کسی شہر کی بلدیہ (میونسپلٹی) فیصلہ کرلے کہ ہمارے شہر میں گندی نالیوں کی ضرورت نہیں ہے اور وہ تمام گندی نالیاں بند کرادے تو اس شہر کا کیا حال ہوگا؟ تمام سڑکیں اور راستے گندے

پانی اور کیچڑ سے نا قابل عبور بن جائیں گے، بدبو اور سڑاند سے برا حال ہوگا۔

طلاق کی ضرورت کا اعتراف:

سو پچاس سال پہلے اسلامی قانون میں طلاق کی گنجائش رکھے جانے کی وجہ سے جو بھی اعتراضات کئے گئے ہوں لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ جس بات کو اسلام کا عیب قرار دیا جا رہا تھا وہ اس کی خوبی نکلی اور کسی نہ کسی شکل میں اسلام کے تصور طلاق کو تمام مذاہب اور قوانین نے اختیار کرلیا۔

ہندو مذہب میں (آخری صدیوں کے اس کے ترجمانوں کے بہ قول) طلاق کی گنجائش نہیں تھی لیکن بالآخر ہندوستان کی پارلیمنٹ میں ہندو اراکین پارلیمنٹ کے ذریعہ ہندو کوڈ بل منظور ہوا جس میں طلاق کی دفعہ شامل کی گئی، اگرچہ جن پابندیوں اور شرطوں کے ساتھ ہندو کوڈ بل میں طلاق کی گنجائش رکھی گئی ہے اس سے ہندو سماج کی طلاق کی ضرورتیں کما حقہ پوری نہیں ہو پا رہی ہیں اس لئے بعض دفعہ ہندو شوہروں کو ناپسندیدہ بیویوں سے رہائی کے لئے تبدیلی مذہب تک کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

عیسائیوں کے یہاں طلاق کی گنجائش نہیں تھی، لیکن رفتہ رفتہ تمام عیسائی ممالک میں سماج کے مسلسل مطالبہ اور دباؤ سے طلاق کے قوانین منظور کر لئے گئے، طلاق کا مطالبہ کرنے والے صرف مرد نہیں تھے بلکہ عورتوں کی تنظیمیں اس مطالبہ میں سرگرم اور پیش پیش تھیں، مغربی ممالک میں طلاق کی اجازت کا اختیار کورٹ (عدالت) کے ہاتھ میں دے دئے جانے کے باجود طلاق کی شرح مسلسل بڑھتی چلی جا رہی ہے اور نکاح وطلاق کھیل تماشہ بن کر رہ گیا ہے عائلی زندگی کا سکون درہم برہم ہے۔

طلاق کا اختیار کس کو دیا جائے:

اس بات پر تو اتفاق ہو چکا ہے کہ بعض حالات میں طلاق ایک ناگزیر انسانی ضرورت ہے اور رشتۂ نکاح کے مکمل طور پر ناکام ہو جانے کے باوجود میاں و بیوی کو جبراً نکاح کے بندھن میں باندھے رکھنا دونوں پر اور سماج پر کھلا ہوا ظلم ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلاق کا اختیار کس کے ہاتھ میں دینا قرین انصاف اور کم ضرر رساں ہے اس سلسلے میں درج ذیل امکانات ہیں۔

(۱) طلاق کا اختیار مشترکہ طور پر میاں و بیوی دونوں کو سونپا جائے، جس طرح دونوں کی رضامندی سے نکاح وجود میں آیا تھا اسی طرح نکاح کا ختم کرنا بھی دونوں کے باہمی مشورے اور اتفاق سے ہو، اسلامی شریعت اس سے اتفاق کرتی ہے، اگر مرد اور عورت باہمی رضامندی سے رشتۂ نکاح ختم کرنا چاہتے ہیں تو انھیں اس کا اختیار ہے اس کو فقہ اسلامی میں خلع کا نام دیا گیا ہے، خود قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں خلع کی اجازت کا ذکر ہے لیکن اسلامی شریعت میں نکاح ختم کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں بلکہ اس کے اور بھی طریقے ہیں جیسا کہ آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

(۲) نکاح ختم کرنے کا اختیار تنہا مرد کو حاصل ہو، اسلامی شریعت نے اس صورت کو اختیار کیا ہے بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ جو عقد نکاح مرد اور عورت کے باہم اتفاق سے وجود میں آیا اسے ختم کرنے کا اختیار تنہا ایک فریق (شوہر) کو دیدیا گیا لیکن مختلف دور رس حکمتوں کے پیش نظر (جن کی کچھ وضاحت آئندہ آنے والی ہے) اللہ جل شانہ نے طلاق کا اختیار مرد کو تفویض کر دیا، اسی کے ساتھ مرد کو ہدایات دی گئیں کہ وہ اپنے اختیار طلاق کا بیجا استعمال نہ کرے، اور طلاق دینے کا حکیمانہ طریقہ بھی کتاب وسنت میں بتایا گیا۔

(۳) تیسرا امکان یہ ہے کہ تنہا عورت کو طلاق کا اختیار سونپا جائے، اسلامی شریعت اس سے اتفاق نہیں کرتی، اسلامی قانون میں نکاح ختم کرنے کے سلسلے میں عورت کو بااختیار نہیں بنایا گیا ہے اور ایسا عورت کے مفاد میں کیا گیا ہے، عورت کو اختیار طلاق نہ دینے کے اسباب پر آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی گئی ہے، تنہا عورت کو حق طلاق نہ دینے کے باوجود اسلامی شریعت نے اس بات کو یقینی بنانا چاہا ہے کہ عورت پر ظلم وزیادتی نہ ہو اس لئے اگر شوہر عورت کے حقوق ادا نہیں کرتا یا اس پر ظلم وستم کرتا ہے تو عورت کو قاضی کی عدالت میں نالش کر کے دعویٰ ثابت ہونے پر نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ طلاق کا اختیار نہ شوہر کو ہو اور نہ بیوی کو بلکہ طلاق واقع کرنے یا طلاق کی اجازت دینے کا حق عدالت کو دیا جائے شوہر اور بیوی میں سے جو شخص نکاح ختم کرانا چاہتا ہو وہ عدالت میں جا کر اپنے مطالبہ طلاق کے اسباب شواہد وثبوت کے ساتھ بیان کرے، جج دوسرے فریق کو طلب کر کے رفع الزام کا موقع دے، جج کی نگاہ میں اگر اس کا مطالبہ معقول

اسباب پر مبنی ہو تو دونوں کا نکاح ختم کردے ورنہ طلاق کی درخواست خارج کردے۔

دور حاضر میں انسانوں کے وضع کردہ عائلی قوانین میں عموماً طلاق کا اختیار عدالت کو سونپا گیا ہے اور یہ دعویٰ کیا جاتا رہا ہے کہ مرد کے ہاتھ سے طلاق کا اختیار چھین کر عدالت کے ہاتھ میں دینے سے طلاق کی شرح کم ہوگی، عورتوں پر مظالم کا سلسلہ موقوف ہوگا، ان کے عائلی حقوق کا تحفظ ہوگا، اسلام اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں کرتا، آئندہ اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ جن ممالک میں کورٹ کے ذریعہ طلاق کا قانون ایک مدت سے نافذ ہے ان کی جائزہ رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ کورٹ کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دینے سے طلاق کی شرح میں کمی کے بجائے اضافہ ہوا، عورتوں پر مظالم میں کوئی کمی نہیں آئی، اس قانون سے عورتوں اور سماج کا فائدہ کم اور نقصان بہت زیادہ ہوا۔

کیا طلاق کا اختیار عدالت کو دینا مناسب ہے؟

سب سے پہلے اس نقطہ پر گفتگو کرلینا ضروری ہے کہ اسلامی شریعت نے طلاق کا اختیار کلیۃً عدالت کے ہاتھ میں کیوں نہیں دیا حالانکہ یہی صورت بہ ظاہر سب سے زیادہ معقول نظر آتی ہے، کیوں کہ شوہر اور بیوی اس معاملہ کے دو فریق ہیں، ان میں سے ہر ایک بعض اوقات وقتی تاثر سے مغلوب ہوکر طلاق کا مطالبہ کرسکتا ہے، اس کے برخلاف جج ایک غیر جانبدار اور سمجھدار شخص ہے وہی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ طلاق کا مطالبہ کسی فوری ردعمل اور وقتی تاثر کی بنا پر ہے یا واقعتاً دونوں کے درمیان خلیج اتنی بڑھ چکی ہے کہ اب رشتۂ نکاح باقی رہنے کی گنجائش نہیں۔

اس نقطہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے رشتۂ نکاح کی صحیح نوعیت اچھی طرح ذہن نشیں کی جائے۔

نکاح خشک قانونی رشتہ نہیں ہے، رشتۂ نکاح کی کامیابی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ میاں و بیوی کے درمیان الفت و محبت ہو، دونوں کو ایک دوسرے پر کامل اعتماد ہو، میاں و بیوی کے درمیان الفت، محبت، یگانگت اور اعتماد کے بغیر محض خشک قانونی بندھن سے رشتۂ نکاح کو باقی نہیں رکھا جاسکتا اور اگر یہ بے روح نکاح کسی طرح باقی بھی رکھا گیا تو بیش بہا نعمت اور فرحت ہونے کے بجائے دونوں کو قید و بند اور عذاب محسوس ہوگا۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ ازدواجی رشتہ بہت حساس اور نازک ہے، بیوی سے شوہر کا دل اچاٹ ہونے اور شوہر کے دل میں نفرت کے جذبات مستحکم ہونے کے اسباب اتنے کثیر اور متنوع ہیں کہ ان میں سے اکثر کو عدالت کی گرفت میں نہیں لایا جاسکتا اور کبھی طلاق کے اسباب اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ انھیں عدالت میں زیر بحث لانا عورت کے مفاد میں نہیں ہوتا، بلکہ انھیں راز رکھنا ہی عورت کی بہی خواہی ہوتی ہے، ان اجمالی اشارات کو چند مثالوں سے سمجھئے۔

(۱) فرض کیجئے خالد اور زینب کا آپس میں نکاح ہوا دونوں اپنی جگہ نیک اور شریف ہیں لیکن دونوں کی عادات اور مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہے، مزاجی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں میں معمولی معمولی باتوں پر رنجش ہوتی رہی، روز روز کی ناچاقی اور رنجش نے نفرت کی شکل اختیار کرلی، اب خالد کے دل میں زینب کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، ایسی صورت میں خالد زینب سے نکاح ختم کرنا چاہتا ہے، اب اگر وہ عدالت میں جاکر مطالبۂ طلاق کی صحیح وجہ بیان کرتا ہے تو عدالت اسے طلاق کی اجازت نہیں دیتی، کیوں کہ عدالت کی نظر میں زینب سے کوئی ایسی نامناسب حرکت سرزد نہیں ہوئی ہے کہ اسے طلاق کا مستحق ٹھہرایا جائے، اب خالد کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو وہ زینب پر غلط الزامات (بدکرداری وغیرہ کے الزامات) لگاکر اور جھوٹے گواہ پیش کرکے اس سے چھٹکارا حاصل کرے، ایسی صورت میں خالد تو سخت گنہ گار ہوگا ہی، اس کے ساتھ ساتھ زینب کا کردار سماج کی نگاہ میں داغدار ہوجائے گا اور اس کے لئے کوئی دوسرا رشتہ ملنا انتہائی دشوار ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خالد زینب سے آخری درجہ میں بیزار ہونے کے باوجود عدالت کے فیصلہ سے مجبور ہوکر اسے اپنے حبالۂ عقد میں رکھے، ظاہر ہے کہ جب خالد کا دل زینب سے اچاٹ ہوچکا ہے اور اس کے دل میں نفرت کے جذبات مستحکم ہوچکے ہیں تو وہ زینب کے ازدواجی حقوق کیا ادا کرپائے گا، ممکن ہے کہ وہ خدا کے خوف سے یا قانون کے ڈر سے زینب کا نان ونفقہ دیتا رہے لیکن زینب کو خالد کے گھر میں وہ محبت و یگانگت کہاں ملے گی جس کی اہمیت اور ضرورت نان ونفقہ سے کہیں زیادہ ہے۔

(۲) شوہر، بیوی کے بارے میں حد درجہ غیور ہوتا ہے، فرض کیجئے اسے اپنی بیوی کے بارے میں بدکرداری کی شکایت ہے، شوہر کی بار بار کی تنبیہ اور سرزنش کے باوجود بیوی اپنی اصلاح نہیں کرسکی اور عادت بد میں مبتلا ہے، شوہر نے مجبوراً رشتۂ نکاح توڑنے کا فیصلہ کیا اگر شوہر کو تنہا طلاق دینے کا اختیار ہوتا تو وہ خاموشی کے ساتھ طلاق دے کر بیوی کو رخصت کردیتا، اس طرح شوہر راحت کی سانس لیتا اور بیوی کا رسوا کن راز افشاء نہ ہوتا ممکن ہے کہ وہ بدچلنی سے توبہ کرکے کسی دوسرے شخص کی زوجیت میں آجاتی، لیکن طلاق کا اختیار کورٹ کو دینے کے بعد میاں و بیوی کے راستے مسدود ہوجاتے ہیں، اگر شوہر عدالت میں جاکر صحیح صورت حال بیان کرکے طلاق کا مطالبہ کرتا ہے تو عورت جج کے فیصلہ سے پہلے ہی اخلاقی اور سماجی موت مرچکی ہوتی ہے، اس کی حیثیت عرفی بری طرح مجروح ہوجاتی ہے۔ (خواہ اسے عدالت الزام سے بری کردے) وہ کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتی، خدانخواستہ کہیں اگر یہ کیس وکیلوں اور صحافیوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تب تو الامان والحفیظ۔

ظاہر ہے کہ اگر فرضی واقعات نہ گڑھے جائیں اور جھوٹے گواہ نہ کھڑے کئے جائیں تو بدکرداری کا دعویٰ ثابت کرنا آسان نہیں ہے لہٰذا شوہر نے اگر سچائی ہی پر اکتفا کیا تو وہ اپنا دعویٰ ثابت نہیں کرسکے گا اور اسے طلاق دینے کا حق عدالت سے نہ مل سکے گا، ایسی صورت میں وہ بیوی کے ساتھ ازدواجی رشتہ کے تقاضوں کو کس طرح برت سکتا ہے؟ قانوناً، خواہ دونوں کا نکاح باقی رہے لیکن عملاً دونوں بے نکاح کی طرح بلکہ اس سے بدتر رہیں گے، خصوصاً عورت بڑی مصیبت میں گرفتار رہے گی۔ اس طرح کے واقعات میں بہت سے غیرت دار اور شریف شوہر اپنے خاندان کی بدنامی کے خوف سے عدالت میں مقدمہ لے ہی نہیں جاتے اور خون کے گھونٹ پی کر رہتے ہیں، رشتۂ نکاح ان کے لئے نعمت اور رحمت بننے کے بجائے شدید ترین ذہنی، نفسیاتی اور مالی عذاب بن جاتا ہے۔

عدالت کا اختیار طلاق اور شرح طلاق:

طلاق کا اختیار عدالت کے ہاتھ میں دینے سے طلاق کے واقعات میں کمی یا اضافہ کا انحصار اس بات پر ہے کہ قانون میں اسباب طلاق کا دائرہ خوب وسیع کیا گیا ہے یا انتہائی تنگ رکھا گیا ہے، جن ممالک میں اسباب طلاق کا دائرہ خصوصاً عورت کے تعلق سے کافی وسیع رکھا گیا ہے وہاں عدالت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دینے سے طلاق کی شرح گھٹنے کے بجائے کافی بڑھی ہے، بیوی کو کسی بات پر شوہر سے شدید ناراضگی ہوئی، شدید وقتی تاثر سے مغلوب ہوکر اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ شوہر کے ساتھ میرا نباہ نہیں ہوسکتا اس نے عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ کردیا، عدالت کی نگاہ میں اتنی بات نکاح ختم کرنے کے لئے کافی ہے کہ عورت کسی حال میں شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں ہے، جج نے نکاح ختم کردیا کیوں کہ عدالت کی نگاہ میں بیوی کا نکاح ختم کرنے پر اصرار اسے شوہر کی جانب سے کوئی زبردست اذیت پہنچنے ہی کی وجہ سے ہوگا، خواہ عورت اسے ثابت نہ کرسکی ہو عورت کو ہر حال میں مظلوم قرار دیئے جانے کا موجودہ تصور اس طرح کی قانون سازی اور عدالتی کاروائی کا سبب ہے، اس کے نتیجے میں بسا اوقات شوہر اور بچوں کے جائز مفادات بری طرح متاثر ہوتے ہیں، خصوصاً شوہر کا زبردست مالی اور خاندانی نقصان ہوتا ہے، بسا اوقات عورت کے سر سے وقتی غصہ اور عجلت پسندانہ فیصلہ کا نشہ اترنے کے بعد اسے بھی اپنے عاجلانہ اقدام پر غیر معمولی ندامت ہوتی ہے لیکن شوہر ماضی کے تجربہ سے سبق حاصل کرکے اس عورت کو دوبارہ اپنے نکاح میں لینے کا خطرہ نہیں مول لینا چاہتا۔

اسباب طلاق کا دائرہ وسیع تر کرنے کی وجہ سے بہت سے مغربی ممالک میں نکاح طلاق کھیل تماشہ بن کر رہ گئے ہیں، ازدواجی رشتہ انتہائی ناپائیدار ہوگیا ہے، طلاق کی شرح حیرت انگیز رفتار سے بڑھ رہی ہے، روز روز کے نکاح وطلاق سے سب سے بڑا نقصان ان بچے بچیوں کا ہورہا ہے جو ماں و باپ کی وقتی لطف اندوزی کے نتیجہ میں عالم وجود میں آتے ہیں، ماں وباپ کی محبت اور تربیت سے محروم ہوکر وہ بچے کندۂ ناتراش کی طرح زندگی گذارتے ہیں، طرح طرح کے امراض، بری عادات اور نفسیاتی وذہنی الجھنوں کے شکار ہوتے ہیں، خواہ حکومت ان کی غذا و دوا اور تعلیم و تربیت کے کتنے اعلیٰ انتظامات کردے، ماں وباپ کی محبت اور خاندانی تربیت سے محروم بچے جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے سماج کے لئے زبردست خطرہ بنتے جارہے ہیں۔ یہ بچے بڑی آسانی سے جرائم پیشہ گروہوں کے چنگل میں آجاتے ہیں، منشیات اور بری عادات میں مبتلا ہوجاتے ہیں، ان کی بہترین صلاحیتیں ملک

کی تعمیر وترقی کے بجائے تخریبی کارروائیوں اور جرائم میں صرف ہوتی ہیں۔

عدالت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار سونپنے کے بعد اگر اسباب طلاق کا دائرہ قانونی طور پر انتہائی محدود رکھا جاتا ہے تو دوسری طرح کے سنگین مسائل پیدا ہوتے ہیں اور تجربہ بتاتا ہے کہ اس سے شرح طلاق میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، مثلاً اگر شوہر کو طلاق کا اختیار عدالت صرف اس صورت میں دیتی ہے جب شوہر عدالت میں بیوی کی بدکرداری یا اسی طرح کے کسی اور سنگین جرم کا ثبوت پیش کرے، اب اگر بیوی نے واقعتاً ایسے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے اور اس کا علم اور مشاہدہ صرف شوہر کو ہے کیوں کہ اس طرح کے جرائم عموماً بہت تنہائی میں انتہائی رازداری کے ساتھ کئے جاتے ہیں تو سچے گواہ کہاں سے پیش کرے، پھر اس طرح کے اسباب طلاق کو عدالت میں زیر بحث لانا، وکیلوں اور ججوں کو بال کی کھال نکالنے کا موقع دینا کہاں تک عورت اور سماج کے مفاد میں ہے؟ پھر ہمارے ذرائع ابلاغ (میڈیا) خصوصاً صحافت ایسے سنسنی خیز رومانٹک مقدمات میں دلچسپی لے کر اپنا فروغ چاہتے ہیں۔ وہ ان سنہرے مواقع سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں گے، بہرحال عدالت کا فیصلہ جو بھی ہو بیچاری عورت تو خاندان اور سماج میں منہ دکھانے کے لائق نہیں ہوگی اور اگر بیوی نے بدکاری یا کسی ایسے سنگین جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے جس کی بناپر شوہر کو قانونی طور پر طلاق دینے کا حق ہے لیکن بیوی کی چھوٹی چھوٹی اوچھی حرکتوں کی وجہ سے یا مزاج اور عادات میں عدم یکسانیت اور تضاد کی وجہ سے شوہر کے دل ودماغ میں بیوی کے تئیں نفرت بیٹھ چکی ہے اور اس کا دل کسی طرح بیوی کی طرف مائل نہیں ہوتا ایسی صورت میں شوہر کے سامنے دو ہی راستے ہیں اگر وہ یہ طے کرتا ہے کہ مجھے جھوٹ نہیں بولنا ہے اور جھوٹا مقدمہ نہیں قائم کرنا ہے تو یا تو وہ عدالت میں جائے گا نہیں اور اگر جائے گا تو ناکام ہوگا، ایسی صورت میں قانونی طور پر نکاح باقی رہے گا لیکن دونوں کے لئے فرحت وانبساط اور خوش گوار عائلی زندگی کا سبب بننے کے بجائے مصیبت اور سوہان روح بنے گا، روز روز کی کشیدگی اور خانہ جنگی سے خاندان اور سماج بھی تنگ ہوجائے گا، ایسا شوہر جس کے دل میں بیوی کے تئیں نفرت اور عداوت کے جذبات مستحکم ہوچکے ہوں ہوسکتا ہے کہ قانون کے ڈر سے بیوی کو نان و نفقہ مہیا کردے لیکن وہ بیوی کو الفت ومحبت اور جنسی آسودگی کہاں سے دے سکتا ہے جب کہ اس کے دل ودماغ میں نفرت کے جذبات موجزن ہیں، ایسی صورت میں نکاح کا باقی رکھا جانا نہ ان دونوں کے حق میں ہے نہ سماج کے مفاد میں، خصوصاً اگر دونوں نوجوان ہیں تو بہت سے مفاسد کا خطرہ ہے، یا تو دونوں اپنی جنسی جذبات کا مسلسل خون کرتے رہیں یا جذبات کے سیل میں بہہ کر جنسی آسودگی کے ناجائز راستے تلاش کریں اور اپنی عصمت وعفت چاک چاک کریں۔

اور اگر شوہر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجھے ہر قیمت پر اپنی ناپسندیدہ بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے خواہ مجھے کچھ بھی کر گزرنا پڑے تو معاملہ پہلی صورت سے بھی زیادہ سنگین ہوجاتا ہے، شوہر وکیلوں کے مشورہ سے بیوی پر بدکاری اور اس طرح کے دوسرے سنگین الزامات لگا کر طلاق کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے ان جھوٹے اور فرضی الزمات پر جھوٹے گواہ اور جعلی دستاویزات پیش کرتا ہے، اس دور میں جب کہ سماج سے مذہبی اور اخلاقی تعلیمات تیزی سے رخصت ہوتی جارہی ہیں اور دولت نے معبود کا مقام حاصل کرلیا ہے اور ہمارے بہت سے ذہین ترین وکلاء اور قانون دانوں کی بہترین دماغی صلاحیتیں گراں قدر فیس پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں لگی ہوئی ہیں شوہر کے لئے سنگین جھوٹے الزامات کو عدالت میں ثابت کرنے کے لئے مشاق گواہوں اور ماہر قانون دانوں کی خدمات حاصل کرلینا کچھ مشکل نہیں، پھر عدالت کا فیصلہ جو بھی ہو شوہر کے بدترین الزامات نے عورت کا مستقبل تو تباہ کرہی دیا، اس کا کردار سماج اور خاندان کی نظر میں مشکوک ہوہی گیا، عورت کا اس سے بڑا نقصان کیا ہوسکتا ہے۔

اگر جھوٹا مقدمہ قائم کرکے شوہر کو ناپسندیدہ بیوی سے نجات کی امید نہیں ہوتی تو شوہر دوسرے مجرمانہ طریقے اختیار کرتا ہے، خدا جانے کتنی بے گناہ عورتیں دنیا کے مختلف ممالک میں اس لئے ماری یا جلائی جاچکی ہیں کہ ان کے شوہر ان سے نفرت کرتے تھے اور طلاق دینے کا راستہ قانونی طور پر ان کے لئے بند تھا، انھوں نے اپنی بیویوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کسی حادثہ کے پردے میں ان کی جان لے لی، خود ہمارے ملک میں عورتوں کو مارنے اور جلانے کے جو واقعات پریس میں آتے رہتے ہیں، ان میں جہیز اور تلک کے مطالبات کے علاوہ بہت سے واقعات میں ان ناپسندیدہ بیویوں

سے نجات کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے جن سے رہائی عدالت کے ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتی، اب یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ سو (۱۰۰) عورتوں کا مطلقہ ہونا زیادہ فکر مندی اور تشویش کی بات ہے یا پچاس عورتوں کا قتل کیا جانا اور جلایا جانا؟

سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ اور مسئلہ طلاق:

چند سال پہلے ہماری سپریم کورٹ نے چار ہندو عورتوں کے دعویٰ پر جن کے شوہروں نے اسلام قبول کر کے نیا نکاح کرلیا تھا اپنا ہنگامہ خیز فیصلہ سنایا اور یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کی ہدایت دی، فاضل ججوں کی نظر میں ان چاروں ہندو عورتوں کے شوہروں نے اسلام قبول کرنے کا اقدام صرف اپنی ناپسندیدہ ہندو بیویوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کیا تھا، اگر فاضل ججوں کا یہ نقطۂ نظر درست ہے تو اس سے بڑے چونکا دینے والے حقائق سامنے آتے ہیں، سب سے اہم بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ ہندو کوڈ بل میں مناسب ترمیم کی جانی چاہئے کیونکہ اس میں ذکر کردہ اسباب طلاق ہندو سماج کی طلاق کی ناگزیر ضرورتوں کو پورا نہیں کر پا رہے ہیں، ہندو کوڈ بل میں طلاق کا جو تصور شامل کیا گیا ہے اس میں مزید توسیع اور تبدیلی کی ضرورت ہے۔

ہمارے ہندوستانی سماج میں تبدیلی مذہب کوئی آسان کام نہیں ہے، تبدیلی مذہب کے بعد انسان اپنے خاندان اور سماج سے بالکل کٹ کر رہ جاتا ہے اور اس کے لئے بے شمار خطرات پیدا ہوجاتے ہیں خصوصاً اگر وہ ہندو سے مسلمان ہوا ہو، لہٰذا کوئی شخص ہندو مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرنے کی جرأت دو ہی صورتوں میں کرسکتا ہے۔

(۱) اپنے مطالعہ اور غور وفکر کے نتیجہ میں اس کا عقیدہ واقعتاً تبدیل ہوچکا ہو اس کو اسلام کی صداقت اور حقانیت پر اس قدر پختہ یقین ہوچکا ہو کہ وہ اپنے سماج سے کٹنے اور خطرات میں کودنے پر ہر طرح آمادہ ہو لیکن اپنے قدیم مذہب سے جسے وہ باطل اور بے بنیاد سمجھتا ہے وابستہ رہنا اسے گوارہ نہ ہو۔

(۲) اس کا عقیدہ تبدیل نہ ہوا ہو، عقیدہ کے اعتبار سے وہ ہندو ہی ہو لیکن کسی شدید مخمصہ اور عذاب میں گرفتار ہو جس سے نجات کا راستہ صرف مذہب کی تبدیلی ہو، مثلاً اپنی بیوی کی طرف سے اس کے دل میں شدید نفرت اور عداوت مستحکم ہوچکی ہے وہ کسی حال میں اس بیوی کو اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا لیکن ہندو کوڈ بل کے اعتبار سے اسے طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہے اس لئے وہ اپنی بیوی سے نجات حاصل کرنے کے لئے مذہب تبدیل کرنے تک کا اقدام کرگذرنے پر آمادہ ہے، حالانکہ اسے معلوم ہے کہ مذہب تبدیل کرنے پر اسے کن مصائب اور خطرات سے گذرنا پڑے گا، لیکن اپنی ہندو بیوی کو بیوی بنائے رکھنے کی مصیبت کے مقابلہ میں وہ تبدیلی مذہب کے خطرات ومصائب کو ہلکا سمجھتا ہے۔

ہندو کوڈ بل کا نقص:

اس تجزیہ سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ ہندو کوڈ بل میں طلاق کے اسباب کا دائرہ انتہائی تنگ ہے، اس سے ہندو سماج کی طلاق کی واقعی ضرورتیں پوری نہیں ہو پاتی ہیں اس لئے بہت سے تعلیم یافتہ، متمول ہندو مرد بھی اپنی بیویوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کرنے تک کا آخری اقدام کرگذر رہے ہیں، اس پیچیدہ صورت حال کا صحیح حل یہ ہے کہ ہندو کوڈ بل میں مناسب ترمیمات کر کے اسباب طلاق کا دائرہ وسیع کیا جائے یا شوہر کو طلاق کا حق دیا جائے، یکساں سول کوڈ کا نفاذ اس مشکل کا حل نہیں ہے، یکساں سول کوڈ نافذ کرنے سے یہی تو ہوگا کہ ایسے شوہر جو اپنی بیویوں سے اس حد تک بیزار ہیں وہ مذہب تبدیل کر کے بھی اپنی ناپسندیدہ بیویوں سے نجات حاصل نہیں کر پائیں گے تو کیا اس سے بیویوں کی مشکل حل ہوجائے گی، جو شوہر اپنی بیوی سے اس حد تک بیزار و ناراض ہے کہ اس کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے تبدیلی مذہب تک کا آخری قدم اٹھانے میں اسے تامل نہیں اس کے گھر میں اس بیوی کا گزارہ نہیں ہوسکتا، اس طرح ہندو عورتوں پر مظالم میں بے پناہ اضافہ ہوگا اور افسوس ناک اعداد وشمار کا پارہ چڑھتا ہی جائے گا کوئی بھی عدالت ان مظالم کو روک نہیں پائے گی۔

ابھی کچھ دنوں پہلے یہ شرمناک خبر اخباروں میں چھپی کہ ایک ہندو شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ اپنے بھائی اور بھتیجے سے جبری زناکاری اس لئے کرائی کہ وہ بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا، اور عدالت میں بیوی کو ''بدچلن'' اور فاحشہ ثابت کئے بغیر سول کوڈ کے مطابق شوہر کو طلاق کا اختیار

حاصل نہیں ہوسکتا۔

ہمارے مذکورہ بالا تجزیہ سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ طلاق کا اختیار کلیۃً عدالت کے ہاتھ میں دے دینا میاں و بیوی کے مفاد میں ہے نہ سماج کے مفاد میں، نہ اس سے شرح طلاق میں کمی آتی ہے، نہ اس سے طلاق کی واقعی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، صرف اتنا ہوتا ہے کہ حریم راز کے معاملات راز رہنے کے بجائے سرعدالت افشاء ہوجاتے ہیں اور عام و خاص میں موضوع گفتگو بن جاتے ہیں، اس میں مرد اور عورت دونوں کی رسوائی ہوتی ہے خصوصاً عورت کی، اس سے ہزار درجہ بہتر تو یہ تھا کہ نباہ نہ ہونے کی صورت میں خاموشی اور خوش اسلوبی کے ساتھ نکاح کا رشتہ ختم کردیا جاتا، تاکہ دونوں کی حددرجہ بدنامی نہ ہوتی اور دونوں کے خانگی اور ازدواجی راز افشاء نہ ہوتے۔

میاں و بیوی کی رضامندی سے طلاق:

اوپر کے صفحات میں اس نکتہ پر بحث کی گئی کہ طلاق کا اختیار کلیۃً عدالت کو سونپ دینا میاں و بیوی اور سماج کے مفاد میں نہیں، اس سے طلاق کی واقعی ضرورتیں پوری بھی نہیں ہوتیں، اب ہم اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ طلاق کا اختیار مشترکہ طور پر میاں و بیوی کو دیا جانا کیسا ہے یعنی یہ قانون بنادینا کہ دونوں کی رضامندی اور اتفاق رائے ہی سے طلاق ہوسکے گی، تنہا ان میں سے کسی کو نکاح ختم کرنے یا کرانے کا اختیار نہیں ہوگا، کیسا ہے؟ اس سے تو اختلاف نہیں کیا جاسکتا کہ شوہر اور بیوی اگر باہمی اتفاق سے نکاح ختم کرنے کا فیصلہ کریں تو انھیں اس کا اختیار ملنا چاہئے، شریعت اسلامی نے میاں اور بیوی کو اس کا اختیار دیا ہے، اسے خلع کہا جاتا لیکن طلاق کو اسی صورت میں محدود کرنا کسی طرح مناسب نہ ہوگا، ایسے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں کہ شوہر اور بیوی میں سے ایک ہر حال میں نکاح ختم کرنا چاہتا ہے اور دوسرا اس کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے، اس طرح کے ہزاروں اور لاکھوں واقعات میں طلاق نہیں ہوپائے گی، حالانکہ میاں و بیوی میں سے ایک سخت آزردہ اور بیزار ہے اور اس کے دل میں دوسرے کے تئیں نفرت کے جذبات مستحکم ہوچکے ہیں، اور رشتۂ نکاح اسی وقت کامیاب اور بارآور ہوسکتا ہے جب دونوں کے دل ملے ہوئے ہوں، دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور احترام کے جذبات ہوں، دونوں ایک دوسرے پر کامل اعتماد کرتے ہوں، لہٰذا یہ پابندی عائد کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ نکاح کا خاتمہ میاں و بیوی کے باہمی اتفاق ہی سے ہوسکتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بیزار فریق دوسرے فریق سے نجات حاصل کرنے کے لئے بہت سے ناروا اور ہلاکت آفریں کام کرے گا۔

طلاق کا اختیار مرد ہی کو کیوں:

اسلام کے نظام طلاق میں طلاق کا اختیار مرد کو تفویض کیا گیا ہے، عورت کو یہ اختیار ضرور ہے کہ شوہر اگر اس کے حقوق کی ادائیگی نہ کررہا ہو یا اس پر مظالم کررہا ہو تو قاضی کی عدالت میں رفع ظلم یا فسخ نکاح کا مطالبہ کرے لیکن اسے ازخود نکاح ختم کرنے کا اختیار اسلام نے تفویض نہیں کیا، طلاق کے بارے میں مرد کو بااختیار بنانے اور عورت کو بااختیار نہ بنانے میں اسلام کی کیا مصلحت ہے، اس سلسلے میں اسلامی قانون کن حکمتوں پر مبنی ہے اس کی وضاحت ذیل کی سطروں میں کی جائے گی۔

طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں دینے کی معنویت سمجھنے کے لئے ازدواجی زندگی میں مرد اور عورت کی ذمہ داریوں پر ایک اجمالی نظر ڈالنی ہوگی، اسلامی قانون میں نکاح کے بعد تمام مالی ذمہ داریوں کا بوجھ شوہر کو اٹھانا ہوتا ہے، مہر کے عنوان سے ایک خطیر رقم اسے بیوی کو دینی ہوتی ہے، شادی کے اخراجات دعوت ولیمہ وغیرہ وہی کرتا ہے، بیوی کی معقول رہائش اور خرچ کا بندوبست اسے کرنا پڑتا ہے، نابالغ بچوں اور بچیوں کا تمام خرچ اسے ہی برداشت کرنا ہوتا ہے، گھر کے روزمرہ کے کام کی قانونی ذمہ داری بھی عورت کے سر نہیں مرد ہی اس کا بھی ذمہ دار ہے، یہ الگ بات ہے کہ عورت ازخود ہی گھریلو کاموں کی ذمہ داری اپنے سر لے اور اسطرح مرد کی آمدنی کا ایک معقول حصہ خرچ ہونے سے بچالے، اس کے برخلاف عورت پر نکاح کے بعد کوئی مالی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ مہر اور ہدیہ تحائف کے ذریعہ اس کا مالی نفع ہی ہوتا ہے، غرض یہ کہ گھر بسانے اور آباد کرنے میں تمام مالی ذمہ داریاں شوہر کے ذمہ آتی ہیں، طلاق کے بعد بھی مالی طور پر شوہر ہی گراں بار ہوتا ہے، مہر کی ادائیگی اگر نہیں کی گئی تو طلاق کے بعد فوری طور پر اس کی ادائیگی کرنی ہوتی ہے، زمانہ عدت کا نفقہ واجب الادا ہوجاتا ہے، اگر بچیاں اور نابالغ بچے

ہیں تو ان کے اخراجات بھی تنہا شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں، نابالغ بچے جب تک مطلقہ ماں کی پرورش میں رہیں گے شوہر مطلقہ بیوی کو پرورش کی اجرت دے گا، طلاق کے بعد پھر نئے نکاح کا مرحلہ درپیش ہوگا اور اس میں بھی مہر، ولیمہ وغیرہ میں مرد کو اچھا خاصا خرچ کرنا پڑے گا، اس طرح طلاق کے نتیجے میں مرد پر بھاری مالی زد پڑتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر اسلامی تعلیمات پر صحیح طور پر عمل ہو تو طلاق سے عورت کا زیادہ مالی نقصان نہیں ہوتا بلکہ بعض پہلوؤں سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہی ہوجاتا ہے۔

نکاح اور طلاق سے وابستہ تمام مالی ذمہ داریاں شوہر کے ذمہ ہونے کی وجہ سے اس کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے کہ شوہر طلاق کا اختیار انتہائی مجبوری میں اور بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرے گا، کیونکہ وہ اس اقدام کے عواقب ونتائج اور اپنی مالی گراں باری کو ذہن میں رکھ کر طلاق دینے سے پہلے بار بار سوچے گا۔

رہا یہ سوال کہ اسلام نے نکاح وطلاق سے وابستہ مالی ذمہ داریوں کا تمام تر بوجھ شوہر کے کندھوں پر کیوں رکھ دیا اور بیوی کی مالی ذمہ داریوں میں شریک کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب تلاش کرنے کے لئے مرد اور عورت کے فرض منصبی اور میدان کار کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر سمجھنا ضروری ہے، اور اس نکتہ کی وضاحت کے لئے مستقل گفتگو کی ضرورت ہے۔

طلاق کا اختیار بیوی کے بجائے شوہر کے ہاتھ میں دینے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر مرد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ متحمل، دوراندیش، غصہ کو پی جانے والے اور قوی الاعصاب ہوتے ہیں، اس کے برعکس عموماً عورتیں زیادہ زودرنج، عجلت پسند اور منفعل ہوتی ہیں، طلاق کے بارے میں عورتوں کو بااختیار بنادینے میں اس کا زیادہ خطرہ ہے کہ وقتی شکوہ شکایتوں کا ضرورت سے زیادہ اثر لے کر اپنے غصہ پر کنٹرول نہ کرسکیں اور معمولی بات پر طلاق کا سنگین اقدام کرگزریں، چنانچہ شیخ ابوزہرہ کے مطابق جو عورتیں نکاح کے وقت شوہر سے اپنے لئے طلاق کا حق تفویض کرالیتی تھیں ان میں طلاق کا تناسب شوہروں سے بہت زیادہ تھا، مرد اور عورت کی مساوات کا خواہ کتنا ہی ڈنکا بجایا جائے لیکن دونوں کے ذہن ومزاج کے فرق کو مٹایا نہیں جاسکتا ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض عورتیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ متحمل، دوراندیش، قوی الاعصاب ہوتی ہیں لیکن قانون تو عام صورت حال کے مطابق بنتا ہے نہ کہ استثنائی واقعات کو بنیاد بنا کر، عورت کے ہاتھ میں طلاق کا کامل اختیار نہ ہونے کے باوجود اسلام نے زیادہ سے زیادہ اس بات کو یقینی بنانا چاہا ہے کہ ازدواجی زندگی میں عورت کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ ہو اور شوہر کی طرف سے مظالم یا عدم ادائے حقوق کی صورت میں عورت قاضی کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔

فسخ نکاح بذریعہ قاضی:

عورت جن اسباب کی بنا پر نکاح فسخ کراسکتی ہے ان کا دائرہ کافی وسیع ہے مثلاً شوہر کا لاپتہ ہونا (مفقود ہونا) غائب ہونا، نان ونفقہ ادا نہ کرنا، حقوق زوجیت ادا نہ کرنا، شوہر کا مجنون یا نامرد ہونا، تکلیف دہ مار پیٹ کرنا، شوہر کا کسی ایسے سنگین متعدی مرض میں مبتلا ہونا جس سے خود عورت کو خطرہ لاحق ہو وغیرہ امام دارالہجرت، حضرت امام مالکؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ میاں و بیوی کے ازدواجی جھگڑے میں فریقین اور گواہوں کے بیانات کے بعد اگر یہ بات واضح نہ ہوسکی ہو کہ کس فریق کی زیادتی ہے یعنی عورت سبب فسخ کے بارے میں اپنا دعویٰ ثابت نہ کرسکی ہو لیکن قاضی کو مقدمہ کی کارروائی کے بعد یقین ہوچکا ہو کہ دونوں کے درمیان اختلافات کی خلیج اتنی گہری اور وسیع ہوچکی ہے کہ اسے پاٹا نہیں جاسکتا اور نکاح باقی رکھنے میں مقاصد نکاح پورے ہونے کے بجائے مفاسد پیدا ہونے کا پورا خطرہ ہے تو وہ عورت کے مطالبہ پر نکاح فسخ کردے گا۔

اور اگر عورت کے دست نازک میں طلاق کی تلوار دینے ہی پر اصرار ہے تو فقہ اسلامی کے اعتبار سے اس کی بھی گنجائش ہے، اگر نکاح کرتے وقت یا نکاح کے بعد شوہر کی طرف سے بیوی کو یا کسی تیسرے شخص کو طلاق تفویض کرالی جائے تو طلاق واقع کرنے کا اختیار عورت اور اس تیسرے شخص کو بھی حاصل ہوجائے گا اور آئندہ کسی بھی وقت شوہر اس حق کو واپس نہیں لے سکتا۔

طلاق کے بارے میں ضروری ہدایات:

شوہر کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دینے کے ساتھ اسلام نے

طلاق کے بارے میں ایسی ہدایات جاری کی ہیں کہ اگر ان کا خیال رکھا جائے تو حق طلاق کا استعمال انتہائی مجبوری میں اور اس مرحلہ میں ہوا کرے جب اصلاح حال اور ملاپ کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں پھر اسلام نے طلاق دینے کا جو طریقہ سکھایا ہے اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو میاں و بیوی کے درمیان باعزت ملاپ کی راہیں کھلی رہیں گی۔

کتاب و سنت میں طریقۂ طلاق کے بارے میں جو بنیادی ہدایات دی گئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) جس عورت سے نکاح کے بعد ایک بار بھی شوہر کے تعلقات زن و شوئی قائم ہو چکے ہوں، ایسی عورت کو طلاق دینے کے لئے شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ حیض گزرنے کے بعد جب طہر (پاکی) کے ایام شروع ہوں اور شوہر نے اس طہر میں ابھی جنسی تعلق قائم نہ کیا ہو اس میں ایک طلاق رجعی دینے پر اکتفا کرے، زمانہ حیض میں طلاق نہ دے اور اس زمانہ طہر میں بھی طلاق نہ دے جس میں جنسی تعلق قائم کر چکا ہو، زمانہ حیض میں عورت پاک صاف نہیں ہوتی، اس سے جنسی تعلق قائم کرنے پر پابندی ہوتی ہے اس لئے شوہر کو اس سے کچھ کھنچاؤ اور دوری ہوسکتی ہے، اسی طرح جب طہر میں شوہر نے ایک دوبار جنسی تعلق قائم کرلیا ہے تو بیوی کی طرف اس کی رغبت کمزور پڑ جاتی ہے، اس کے برخلاف حیض کے بعد جب عورت کے پاکی کے ایام شروع ہوتے ہیں اور ابھی شوہر نے اس طہر میں ایک بار بھی جنسی تعلق قائم نہیں کیا ہے تو بیوی کی طرف اس کی رغبت بہت شدید ہوتی ہے، اس زمانۂ رغبت میں اس کا طلاق دینا اس بات کی ضمانت ہے کہ شوہر کا دل بیوی سے بالکل ہٹ چکا ہے اور اس نے انتہائی مجبوری ہی میں طلاق کا قدم اٹھایا ہے۔

(۲) طلاق کے بارے میں دوسری ہدایت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی دینے پر اکتفا کرے یہ طلاق کا سب سے بہتر طریقہ ہے، ایک طلاق رجعی پر اکتفا کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر شوہر کو طلاق دینے کے بعد ندامت ہوئی تو وہ زمانۂ عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے، رجوع کرنے سے نئے نکاح اور مہر کے بغیر اس کا نکاح پہلے کی طرح قائم رہے گا۔

اور اگر اس نے دوران عدت رجوع نہیں کیا تو عدت مکمل ہوتے ہی رشتۂ نکاح ختم ہو جائے گا لیکن اگر دونوں دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو نیا نکاح کرسکتے ہیں۔

(۳) اگر شوہر تین طلاق ہی دینا چاہتا ہے تو شریعت نے اس کا یہ طریقہ سکھایا ہے کہ ایک طہر میں جس میں اس نے بیوی سے جنسی تعلق قائم نہیں کیا ہے ایک طلاق رجعی دے، اس کے بعد کم وبیش ایک ماہ کے وقفہ سے جب حیض کے بعد دوسرا طہر شروع ہو دوسری طلاق دے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے، دوسری طلاق کے بعد بھی زمانۂ عدت کے اندر اندر شوہر رجوع کرسکتا ہے، رجوع کرنے سے نکاح پہلے کی طرح باقی رہے گا اور اگر دوسری طلاق پر اکتفا کیا اور زمانۂ عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تو دونوں کی رضامندی سے دونوں کا دوبارہ پھر نکاح ہوسکتا ہے۔

تیسری طلاق کے بعد نہ شوہر رجوع کرسکتا ہے، نہ دونوں کا آپس میں دوسرا نکاح ہوسکتا ہے خواہ دونوں اس کے لئے راضی اور خواہشمند ہوں۔

(۴) اسلامی شریعت نے طلاق کا مذکورہ بالا طریقہ اسی لئے سکھایا تھا تاکہ میاں و بیوی کو معاملات کو سلجھانے، تعلقات درست کرنے اور اپنی کوتاہی کی تلافی کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔

(۵) طلاق کی تعداد تین میں محدود کرکے شریعت اسلامی نے عورتوں کے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے اور ازدواجی زندگی کو بچوں کا کھیل تماشہ بنانے سے بچایا ہے اسلام سے پہلے عربوں میں طلاق کی کوئی تعداد متعین نہیں تھی، ہر طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کا اختیار حاصل تھا، بہت سے شوہر اپنی بیویوں کے اوپر اس طرح ظلم کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کو طلاق دینے کے بعد عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے، اس کے بعد دوسری طلاق دیتے پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے اس طرح طلاق دینے اور رجوع کرنے کا سلسلہ بہت مدت تک جاری رکھتے، سالہا سال تک عورت کے دن اس طرح گزرتے کہ نہ اسے ظالم شوہر سے رہائی ملتی نہ بیوی کی حیثیت سے زندگی گذارنے کا موقع ملتا، اسلام کے اس فیصلہ سے کہ تین طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کا اختیار حاصل نہ ہوگا اور دونوں کے درمیان نیا نکاح بھی نہیں ہوسکتا عورتوں پر ان مظالم کا سلسلہ بند ہو گیا جو شوہر کو طلاق اور رجوع کے غیر محدود اختیارات حاصل ہونے سے وجود میں آرہے تھے اور نکاح کا احترام و تقدس بحال ہو گیا۔

(۶) طلاق کے بارے میں اسلامی ہدایات اور تعلیمات کی خلاف ورزی کرنا سخت گناہ ہے، مثلاً زمانہ حیض میں طلاق دینا، ایک ہی طہر میں ایک سے زائد طلاق دینا، ایک مجلس میں تین طلاق دینا، حضرت عمرؓ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ ایک ساتھ تین طلاق دینے والوں کو سزا دیتے۔

دور حاضر میں دین سے ناواقفیت اور خدا سے بے خوفی کی وجہ سے اسلام کے سکھائے ہوئے طریقۂ طلاق کی خلاف ورزی بہت بڑھ گئی ہے، بہت سے جاہل مرد یہ سمجھتے ہیں کہ تین بار طلاق دیئے بغیر طلاق پڑتی ہی نہیں اس لئے تین طلاق دے ڈالتے ہیں، بعض مرد زمانہ حیض میں طلاق دیتے ہیں، بعض معمولی خفگی پر طلاق کا اقدام کر گذرتے ہیں، اس سلسلے میں دو کاموں کی سخت ضرورت ہے (۱) مسلمانوں سے دین کی جہالت دور کی جائے، ان میں نکاح وطلاق کے مسائل کا صحیح شعور پیدا کیا جائے، یہ بات ذہن نشین کرادی جائے کہ بے ضرورت طلاق دینا اور ضرورت پڑنے پر اسلام کے سکھائے ہوئے طریقہ کے خلاف طلاق دینا سخت گناہ ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں سخت پکڑ ہوگی۔ (۲) ایسا سماجی دباؤ پیدا کرنا کہ لوگ نکاح وطلاق کو تماشہ نہ بنالیں، بے ضرورت اور غلط طریقہ پر طلاق دینے کی جسارت نہ کریں، خلاف ورزی کرنے والوں کو مناسب سزا بھی دی جانی چاہئے اور اگر ضرورت ہو تو سماجی بائیکاٹ سے بھی کام لیا جاسکتا ہے، برائیوں کا سدباب محض قانون کے ذریعہ نہیں ہوسکا، بسا اوقات سماجی دباؤ برائیوں کو روکنے میں قانون سازی سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ مستند اصحاب افتاء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ احکام طلاق کی خلاف ورزی کرنے والوں کو مناسب سزا دی جائے یا ان کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ کی خدمت میں پیش کردہ ایک استفتاء اور اس کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔

طلاق کے مروج دستور پر تعزیر واجب ہے:

سوال: آجکل معاشرہ میں ابغض الحلال الی اللہ کی بہتات ہے، اس کے باعث اعتداء حدود اللہ، نشوزِ ذہن اور کثرت بغاوت ہے، بہرحال مرد کی جانب سے جائز طلاق تو محل کلام نہیں، تحقیق طلب امر یہ ہے کہ بغیر عذر شرعی مرد کا طلاق دے دینا یعنی ظالم بھی خود اور طلاق دینے پر جری بھی خود، ایسی صورت میں طلاق شرعاً تعزیری جرم ہے یا نہیں؟ تعزیر سے مراد ہے کہ اہل قبیلہ و برادری ایسے شخص سے نفرت بالقلب کے علاوہ معاشرتی مقاطعہ بھی کریں، تاکہ احکام الٰہیہ سے مذاق کا سلسلہ ختم ہو، تو آیا یہ مقاطعہ یعنی معاشرتی ترکِ تعلق جائز ہوگا کہ نہیں؟ جواب سے تشفی فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ جزاءً حسنا۔

الجواب باسم ملھم الصواب:

آجکل کے دستور طلاق میں کئی معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے، طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اصلاح ذات البین کی کوشش کی جائے، مایوسی کی صورت میں اہل صلاح سے استشارہ و استخارہ کیا جائے، اس کے بعد بھی طلاق ہی میں خیر نظر آئے تو حیض کے بعد قبل الوطی صرف ایک طلاق رجعی دی جائے، اس کے برعکس آجکل طلاق میں مندرجہ ذیل معاصی کا ارتکاب لازم ہوگیا ہے:

(۱) بدون غور وفکر جلد بازی۔
(۲) اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔
(۳) خاندان کے بااثر وباصلاح اشخاص سے مشورہ نہیں لیا جاتا۔
(۴) استخارہ نہیں کیا جاتا۔
(۵) حیض سے فراغت کا انتظار نہیں کیا جاتا۔
(۶) بیک وقت دو تین بلکہ تین ہی طلاقیں لازم سمجھی جاتی ہیں۔
(۷) تین طلاقیں دینے کے بعد جب کوئی صورت واپسی کی نہیں ہوتی تو حلالۂ ملعونہ سے کام لیا جاتا ہے، اور بعض تو لعنت حلالہ کی بجائے عمر بھر لعنت زنا میں مبتلا رہتے ہیں۔

ان وجوہ کی بنا پر طلاق کا مروّج دستور بلاشبہ واجب التعزیر جرم ہے، حکومت پر فرض ہے کہ ایسے جرم پر عبرتناک سزا دے، حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ کی تعزیر مناسب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاویٰ جلد ۵ ص ۱۹۴-۱۹۵)

❁❁❁

معاشرہ کی تطہیر-اسلامی طریقۂ کار

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی

اسلامی نظام معاشرت کی امتیازی خصوصیات کو قائم رکھنے اور اجتماعی ماحول کو پاک وصاف رکھنے کے لئے اسلام نے کچھ ہدایات دی ہیں۔ یہ ہدایات فرد سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور معاشرہ سے بھی۔

(الف) خوف خدا

اسلام معاشرہ کے ہر ہر فرد کے دل میں اللہ کا خوف پیدا کرتا ہے۔ وہ انہیں ڈراتا ہے کہ اس کی قائم کی ہوئی حدوں سے تجاوز نہ کریں۔ احکام الٰہی پر عمل کی صورت میں وہ روز قیامت اللہ تعالی کے انعامات کی امید دلاتا ہے اور ان سے روگردانی کی صورت میں برے انجام سے ڈراتا ہے۔ اگر معاشرہ کے افراد کے دلوں میں خوف خدا مستحضر رہے تو وہ بہت سی برائیوں سے دامن کش رہیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک خوبصورت اور با اقتدار عورت نے معصیت پر آمادہ کرنا چاہا۔ معصیت میں گرفتار ہو جانے کے تمام اسباب فراہم تھے مگر یہی وہ برہان تھی جس نے انہیں اس معصیت سے دور رکھا اور وہ معاذ اللہ پکار اٹھے۔ انہوں نے جیل جانا تو گوارا کرلیا مگر اس دعوت معصیت پر لبیک نہیں کہا۔

﴿رب السجن أحب إلیّ مما یدعوننی إلیه﴾ (یوسف: ۳۳)

(میرے رب قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔)

حضرت مریم ہیکل کے مشرقی حصے میں زاویہ نشیں تھیں۔ تنہائی میں ایک اجنبی انسانی صورت دیکھ کر گھبرا اٹھیں اور اسے خدا کا خوف دلانے لگیں۔

﴿قالت إنی أعوذ بالرحمن منک إن کنت تقیاً﴾ (مریم: ۱۸)

(مریم یکایک بول اٹھی اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں۔)

ایک حدیث میں ہے کہ:

''میدان حشر میں جب سورج لوگوں کے سر پر ہوگا، لوگ نفسا نفسی کے عالم میں ہوں گے، اور وہاں عرش الٰہی کے سایہ کے سوا کہیں اور سایہ نہ ہوگا۔ سات قسم کے لوگ اس سایہ سے بہرہ ور ہوں گے۔ ان میں سے ایک آدمی وہ ہوگا جس کو جاہ واقتدار اور حسن وجمال کی مالک کسی عورت نے برائی پر اکسایا ہو مگر اس نے اللہ کے خوف سے اس کی دعوت کو رد کر دیا ہو۔'' (صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ باب الصدقۃ بالیمین۔)

(ب) ستر کی حفاظت

اسلام عریانی کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ وہ مرد اور عورت دونوں کو جسم کے وہ تمام حصے چھپانے کا حکم دیتا ہے جن میں ایک دوسرے کے لئے صنفی کشش پائی جاتی ہے۔ وہ اس معاملے میں اتنا حساس ہے کہ آدمی کا تنہائی میں بھی برہنہ رہنا وہ پسند نہیں کرتا۔ حضرت بہز بن حکیمؒ کے دادا روایت کرتے ہیں کہ میں نے آں حضرت ﷺ سے دریافت کیا:

''اے اللہ کے نبی ہم اپنی ستر پوشی کہاں کریں اور کہاں نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی شرم گاہ کو کسی کے سامنے نہ کھلنے دو، سوائے اپنی بیوی اور باندی کے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول جب لوگ باہم ملے جلے ہوں اور آدمی ستر پر پوری طرح قادر نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا: جہاں تک

ممکن ہو کوشش کرو کہ کوئی شخص تمہارے قابل ستر مقامات کو نہ دیکھنے پائے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول جب کوئی شخص تنہا ہو تو کیا اس وقت بھی برہنہ نہیں ہوسکتا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے شرم کی جائے (وہ تو ہر جگہ موجود ہے)۔ (جامع ترمذی أبواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی حفظ العورۃ۔)

اعضاء ستر کو چھپانے کا جذبہ انسانی فطرت میں روز اول سے ودیعت کیا گیا ہے۔ جب کہ شیطان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ مرد وعورت زیادہ سے زیادہ عریاں ہوکر ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ شیطان کے بہکانے پر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا نے جنت میں ایک مخصوص درخت کا پھل کھالیا اور ان کے اعضاء ستر کھل گئے تو اسی فطری جذبہ کے تحت انہوں نے جنت کے پتوں سے ان اعضاء کو ڈھکنے کی کوشش کی تھی۔

فلما ذاقا الشجرة بدت لهما سو آتهما و طفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة . (الاعراف : ۲۲)

﴿آخرکار جب انہوں نے اس درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔﴾

(ج) تجرد کا خاتمہ

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ معاشرہ کے افراد جہاں تک ممکن ہو غیر شادی شدہ نہ رہیں تا کہ وہ جنسی تسکین کے لئے ناجائز طریقہ اختیار کرنے پر مجبور نہ ہوں۔ وہ سرپرستوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے زیردستوں کے نکاح کا اہتمام کریں:

وانكحوا الايامى منكم . (النور : ۴۲)

﴿تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں ان کا نکاح کردو۔﴾

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جب تمہیں کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کی دین داری اور اخلاق تمہارے نزدیک پسندیدہ ہو تو اس سے نکاح کردو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو زمین فتنہ وفساد سے بھر جائے گی۔'' (جامع ترمذی أبواب النكاح ، باب ماجاء في من ترضون دينه فزوجوه .)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے نوجوانوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

''اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کرنے پر قادر ہو اسے نکاح کرلینا چاہئے۔ کیوں کہ یہ نگاہوں کو بدنظری سے روکنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے کی بہترین تدبیر ہے۔'' (صحیح بخاری کتاب النکاح باب قول النبی من استطاع منکم الباءۃ، صحیح مسلم کتاب النکاح باب استحباب النکاح لمن تاقت الیہ نفسہ۔)

دوسری جانب آپ ﷺ نے قدرت کے باوجود نکاح نہ کرنے والے پر سخت نکیر فرمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص قدرت رکھنے کے باوجود نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔'' (سنن الدارمی، کتاب النکاح، باب الحث علی التزویج۔)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور غیر شادی شدہ رہنے سے سختی سے منع کرتے تھے۔'' (سنن الدارمی، کتاب النکاح، باب الحث علی التزویج۔)

اس معاملے میں مرد اور عورت کے درمیان اسلام نے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اس نے جتنا زور مرد کے نکاح پر دیا ہے اتنی شدت سے عورت کے نکاح کی بھی تاکید کی ہے۔ چنانچہ عورت اگر طلاق یافتہ یا بیوگی کی وجہ سے بے شوہر کی ہوگئی ہو تو وہ معاشرہ کے افراد کو ترغیب دیتا ہے کہ اس کے عقد ثانی کی فکر کریں۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مطلقہ یا بیوہ عورتوں کو دوسرے عقد میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی تھی۔

(د) پر مسرت ازدواجی زندگی

اسی طرح اسلام جائز حدود میں جنسی تسکین کے لئے پر مسرت اور بھرپور ازدواجی زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ شوہر اور بیوی دونوں

کو حکم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کے جذبات اور خواہشات کا خیال رکھیں۔ جائز حدود میں صنفی عمل وہ عبادت کا درجہ دیتا ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''بیوی سے ہم بستری کرنا بھی صدقہ ہے۔'' (صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب بیان اسم الصدقۃ تقع علی کل نوع من المعروف۔)

شوہر کی جنسی خواہش کی تکمیل سے بچنے کے لئے دن میں روزہ رکھنے یا رات میں عبادت میں مشغول ہونے سے وہ عورت کو منع کرتا ہے:

''کوئی عورت شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھے۔'' (صحیح بخاری کتاب النکاح باب صوم المرأۃ باذن زوجہا تطوعاً۔)

''اگر عورت شوہر سے الگ تھلگ رات گزارتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔'' (صحیح بخاری کتاب النکاح: باب اذا باتت المرأۃ مہاجرۃ فراش زوجہا۔)

اسی طرح اسلام شوہر کو بھی بیوی کی دل بستگی کرنے اور اس کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کثرت سے نفلی روزے رکھتے اور راتوں میں عبادت کا اہتمام کرتے تھے، اس وجہ سے ان کی بیوی نے زیب وزینت ترک کر دی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا اور حقوق اللہ کے ساتھ بیوی کے حقوق بھی ادا کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم باب من اقسم علی أخیہ لیفطر علیہ فی التطوع.)

روایات میں یہی بات حضرت عثمان بن مظعونؓ کے سلسلہ میں بھی مذکور ہے۔ (مسند احمد ۱۰۶/۶.)

ان تعلیمات وہدایات سے اسلامی شریعت کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صنفی تعلقات کو نکاح کے دائرے میں محدود کرنا اور آوارگی اور انحراف کے تمام دروازے بند کر دینا چاہتی ہے۔

(۵) فحاشی کی عدم اشاعت

اسلام اجتماعی ماحول کو اس حد تک پاک وصاف رکھنا چاہتا ہے کہ وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ معاشرہ میں برے خیالات لوگوں کی زبانوں پر آئیں اور ان کی اشاعت ہو۔ عہد جاہلیت میں شعراء اپنے کلام میں اپنے صنفی میلانات کو بیان کرتے تھے اور اسے بلا جھجک بھری محفلوں میں پیش کرتے تھے۔ اسلام نے اس چیز کو سخت ناپسند کیا اور ایسا کرنے والوں کو وعید سنائی:

﴿إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة فى الذين آمنوا لهم عذاب أليم فى الدنيا والآخرة﴾ . (النور : ۱۹)

(جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔)

اسلام اس معاملے میں اتنا حساس ہے کہ وہ اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ بیوی اپنے شوہر کے سامنے کسی دوسری عورت کی صنفی خصوصیات کو بیان کرے یا شوہر دوسروں کے سامنے اپنی بیوی کے محاسن کو آشکارا کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ اس طرح نہ لپٹے کہ بعد میں وہ اپنے شوہر سے اس کے جسمانی محاسن کو اس طرح بیان کرنے لگے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔'' (سنن أبی داؤد، کتاب النکاح باب مایؤمر بہ من غض البصر۔)

قیامت کے دن بدترین ٹھکانہ اس شخص کا ہوگا جو اپنی بیوی سے ہم بستری کرے پھر اس کے راز کو آشکارا کردے۔'' (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم افشاء سر المرأۃ۔)

اسلامی پردہ

مذکورہ بالا تدابیر کے علاوہ اسلام نے کچھ ایسے احکام بھی دئے ہیں جو سماج میں مردوں اور عورتوں کے دائروں کو الگ الگ کرکے صنفی انتشار کے امکانات کو انتہائی محدود کر دیتے ہیں اور ایک ایسا ماحول پیدا کرنے میں معاونت کرتے ہیں جس میں صنفی میلانات کو برانگیختہ کرنے والی تحریکات مفقود ہوتی ہیں۔ ان احکام کو اسلامی پردہ کا جامع عنوان دیا جا سکتا ہے۔

۞ ۞ ۞

عورت و مرد کے بعض حقوق کے مختلف ہونے کی وجہ

مفتی محمد خالد حسین قاسمی نیموی

اسلام نے خواتین کے لیے ترقی و کامیابی کے بلند سے بلند درجے تک پہونچنا جس طرح ممکن بنایا اور انھیں جیسے وسیع تمدنی و معاشی حقوق دیئے ہیں، عزت و شرف کے جو بلند مراتب عطا کیے ہیں اور ان حقوق و مراتب کی حفاظت کے لیے اپنی اخلاقی اور قانونی ہدایات میں جیسی پائدار ضمانتیں مہیا کی ہیں، ان کی نظیر دنیا کی کسی بھی قدیم وجدید نظام معاشرت میں نہیں ملتی۔

البتہ اسلام کی نظر میں مرد، مرد ہے اور عورت، عورت، زندگی کا نظام چلانے میں دونوں برابر کے شریک ہیں، مرد اور عورت ایک دوسرے سے مل کر نظام انسانی کی تکمیل کرتے ہیں۔ دونوں صنفیں ایک دوسرے کا تکملہ و تتمہ (Complements) ہیں، ایک دوسرے کا مثنیٰ (Duplicates) یعنی نقل نہیں، دونوں میں نا قابل عبور قسم کے حیاتیاتی فرق پائے جاتے ہیں۔ ان امور کی رعایت کرتے ہوئے دونوں صنفوں میں جس حد تک مساوات قائم کی جاسکتی تھی، وہ اسلام نے قائم کردی؛ لیکن وہ اس مساوات کا قائل نہیں، جو قانون فطرت کے خلاف ہو اور خدا تعالیٰ کے تقاضۂ عدل کے معارض ہو، یا اس کی وجہ سے اس صنف نازک، جس کی نزاکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ کے رسولؐ نے اس کو ''قواریر'' یعنی آبگینہ اور شیشہ قرار دیکر اس کے ساتھ رفق اور نرمی کا حکم دیا۔ لہذا جہاں جہاں حقوق کی بنیاد اور اختیارات کے منشاء میں یکسانیت ہوتی ہے، وہاں شریعت اسلامیہ، حقوق کے حوالے سے مرد اور عورت کے درمیان مکمل مساوات قائم کرتی ہے۔ اور جہاں جہاں منشاء حقوق مختلف ہوتے ہیں وہاں دونوں کے حقوق و اختیارات بھی مختلف ہوجاتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے اور اسی میں دونوں کے ساتھ انصاف بھی ہے۔

مثلاً شریعت اسلامیہ، واجبات ایمان لوازم عقائد اور عبادات: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت اور اس کی ادائیگی پر مرتب ہونے والے ثواب میں مرد و عورت کے درمیان مکمل مساوات قائم کرتی ہے؛ اس لیے کہ عقائد و اعمال کے مکلّف ہونے کی بنیاد عاقل و بالغ ہونے پر ہے۔ اور یہ صفت مرد اور عورت دونوں میں مشترک ہے۔ اسی طرح جان و مال میں تصرف اور نکاح کا اختیار اور اشیاء کی ملکیت، دوسروں کو مالک بنانے اور دیگر مالی لین دین کا حق بھی اسے مردوں کی طرح حاصل ہے۔ اس لیے کہ اس کی بنیاد شخصی آزادی پر ہے اور شخصی آزادی میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔

تعدد ازدواج کا حق:

لیکن تعدد ازدواج، یعنی ایک سے زیادہ شادی کرنے اور ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کا حق شریعت اسلامیہ چند شرطوں کے ساتھ صرف مردوں کو دیتی ہے، عورت کو نہیں، اس لیے اگر یہ حق عورتوں کو بھی دے دیا جاتا تو اس صورت میں سماج میں بدترین خرابیاں پیدا ہوتیں۔ پیدا ہونے والے بچوں کا نسب خلط ملط ہوجاتا۔ ناجائز اولاد کی کثرت ہوجاتی۔ جب کہ مرد کو یہ حق دینے میں مذکورہ خرابیاں لازم نہیں آتیں۔

پھر یہ کہ تعدد ازدواج کا حق مرد کو یوں ہی تفریحاً نہیں دیا گیا۔ بلکہ یہ حق ضرورت کی بنیاد پر ہے۔ کیوں کہ ہر شخص برابر نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے بنسبت زیادہ قوی الشہوہ ہوتا ہے لہذا بعض اوقات مرد کے لیے ایک سے زیادہ عورت کی طلب ایک فطری تقاضا ہوتا ہے۔ اگر اس تقاضے کو مہذب اور قانونی طور پر پورا نہیں کیا جائے تو اس صورت میں مرد چور دروازے سے گناہ میں مبتلا ہوکر بے راہ روی کا شکار ہوجائے گا اور معاشرے میں بدکاریاں عام ہوتی چلی جائیں گی۔ (جیسا کہ آج کل عملی طور پر مغربی ممالک کے اخلاق باختہ معاشرے میں ہورہا ہے) اس کے علاوہ

ایک سبب یہ بھی ہے کہ دنیا میں ہمیشہ مردوں کی تعداد عورتوں کی تعداد سے کم رہی ہے۔ اس لیے کہ جنگوں اور حادثوں میں عام طور پر مردوں کی جان کا اتلاف زیادہ ہوتا ہے۔اور ایک حدیث میں بھی اس کی پیشین گوئی کی گئی ہے (بخاری ۲/۷۸۷) اگر مرد کو ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت نہیں دی جائے تو بہت سی عورتیں غیر شادی شدہ رہ جائیں گی۔

اسی طرح ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات پہلی بیوی خطرناک مہلک بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہے اور شوہر کے لیے اس سے صحبت کرنا ممکن نہیں رہتا۔ یا اگر بیوی بانجھ ہو اور شوہر خاندان کی بقاء کے لیے اولاد کی شدید خواہش رکھتا ہو، تو ایسی صورت میں دوسری عورت سے شادی کرنا ایک واقعی ضرورت بن جاتی ہے اور اس ضرورت کی تکمیل ہی میں انسانیت اور معاشرے کی بھلائی ہے۔ اسلام نے اس فطری اور واقعی ضرورت کی تکمیل کی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کے لیے مرد پر سخت شرطیں بھی عائد کر دیں کہ وہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے اور شوہر پر لازم قرار دیا کہ وہ دونوں بیویوں کے تمام واجب حقوق ادا کرے۔ اور ان کے درمیان خوراک و پوشاک اور شب گذاری میں برابری کرے، ورنہ پھر وہ ایک بیوی پر اکتفا کرے۔ جس کی طرف قرآن کریم نے ''فواحدۃ'' سے اشارہ کیا ہے۔ **فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃ** (النساء۳) تو اگر تمہیں خوف ہو کہ تم بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر پاؤ گے تو صرف ایک پر اکتفا کرو۔

بچوں کی پرورش کا حق:

کبھی مرد و عورت کے احکام اس لیے مختلف ہوتے ہیں کہ عورتیں اس ذمہ داری کو مردوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہیں۔ مثلاً: حضانت یعنی بچوں کی پرورش و پرداخت کا حق اسلام نے صرف عورتوں کو دیا ہے۔ مردوں کو نہیں؛ اس لیے کہ بچوں کی پرورش کے لیے جو صلاحیتیں درکار ہیں؛ وہ عورتوں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ جب کہ مردوں میں ناقص ہوتی ہیں۔ وہ صحیح طور پر بچوں کی پرورش نہیں کر سکتا ہے۔

تنہا سفر کرنے کا حق:

بعض اوقات مرد اور عورت کے احکام میں اس وجہ سے فرق ہوتا ہے کہ اگر دونوں میں مساوات کر دی جائے تو مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں اور عورت کی بے عزتی و بے حرمتی یا دوسرے نقصانات کا خطرہ ہوتا ہے۔ جیسے کہ عورت کے لیے تنہا بغیر محرم کے حج کرنے یا اڑتالیس میل سے زیادہ کا سفر کرنے، (ترمذی ۱/۲۲۰) غیر محرموں کے ساتھ آزادانہ میل و جول رکھنے اور مخلوط مجالس و محافل میں شرکت کی از روئے شریعت اجازت نہیں ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ صورتوں میں اگر چہ بعض فوائد بھی محتمل ہیں؛ لیکن نقصان کا خطرہ زیادہ ہے۔ اور شرعی قاعدہ ہے: "**دفع المضرّۃ اولیٰ من جلب المنفعۃ**" یعنی مضرت کی چیزوں کو دور کرنا منفعت کو حاصل کرنے سے بہتر ہے۔

طلاق کا حق:

طلاق دینے کا حق صرف مردوں کو دیا گیا ہے، عورتوں کو نہیں دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کے نتیجے میں سراسر مادی و مالی نقصان مرد ہی کا ہوتا ہے کہ اسے مہر کی صورت میں ایک خطیر رقم کی ادائیگی کرنی پڑتی ہے، عدت خرچ دینا پڑتا ہے، اگر اس عورت کے زیر پرورش بچے بھی ہوں؛ تو اگر لڑکا ہو تو سات سال کی عمر تک اور اگر لڑکی ہو تو بالغہ ہونے تک، پرورش و پرداخت کا حق تو ماں کا ہوتا ہے؛ البتہ بچہ اور اس کی ماں کے تمام تر اخراجات بھی باپ کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ (ردالمحتار باب الحضانہ) جب کہ عورت کے لیے مالی مدد کی متعدد شکلیں نکل آتی ہیں۔ لہٰذا اگر عورت کو طلاق کا حق دیا جاتا تو بہت سارے فتنے پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اس لیے کہ وہ بسا اوقات اپنی مالی منفعت اور مادّی فائدے کے حصول کی خاطر ایک شوہر کو طلاق دے کر دوسرے مرد سے شادی کر لیتی اور پھر اس سے مادی اغراض حاصل کر کے اسے بھی طلاق دے دیتی۔ اس طرح وہ طلاق دینے کو ایک طرح کی تجارت اور پیشہ بنا سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس سے معاشرتی نظام ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتا اور اس کے تار و پود منتشر ہو جاتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ عورت کو مجبور محض بنا دیا گیا ہے۔ بلکہ اگر واقعتاً شوہر سے اسے جائز شکایت ہو اور وہ اس سے جدائی کی خواہاں ہو تو اس کے لیے اسلام نے اسے خلع کرنے اور نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ مرد کو جو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے، وہ بھی علی الاطلاق نہیں؛ بلکہ

مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد آخری چارۂ کار کے طور پر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیوی کی کسی غلطی کی وجہ سے زوجین کے درمیان کچھ تناؤ پیدا ہوجائے تو قرآن کریم نے اس کا حل یہ بتایا ہے کہ بیوی کو سب سے پہلے سمجھایا جائے، پندوموعظت سے کام لیا جائے، اگر بیوی اس کے باوجود نافرمانی پر کمربستہ ہو تو چند دنوں بستر الگ کرلیا جائے، تاکہ اسے اپنی کوتاہی کا احساس ہو، اگر اس سے بھی کام نہ چلے اور عورت میں اصلاح کے آثار نمایاں نہ ہوں تو معمولی سرزنش کی بھی اجازت دی گئی ہے، اگر مذکورہ تمام مراحل سے گذرنے کے باوجود تعلقات میں سدھار نہ آئے تو سماج کے سمجھ دار لوگوں کا فریضہ ہے کہ وہ بیچ میں پڑ کر صلح کرانے کی کوشش کریں، اگر مذکورہ تمام کوششوں کے باوصف باہمی اختلاف دور نہ ہوسکے اور نباہ کے آثار نظر نہ آئیں تو اس آخری مرحلہ میں اسلام نے مرد کو طلاق کی اجازت دی ہے، معلوم ہوا کہ طلاق ایک ناخوش گوار ضرورت ہے اسی لیے طلاق کو ''**ابغض الحلال**''، یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔

ترکہ میں عورت کا حق:

وراثت کے حوالے سے یہ امر قابل ذکر ہے کہ دنیا کے کسی بھی مذہب، قوم اور ملک نے عورت کو ترکہ کا مستحق نہیں قرار دیا ہے۔ عورتوں کی وراثت کے حوالے سے عربوں کی حالت کچھ زیادہ ہی ابتر تھی۔ ان کے ہاں ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا اصول کارفرما تھا کمزوروں، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، غریبوں اور یتیموں کو قریب نہیں پھٹکنے دیا جاتا، ان کا کہنا تھا ''**کیف نعطی المال من لا یرکب فرسا و لا یحمل سیفا و لا یقاتل عدوا**'' (المواریث، ص:۱۲) یعنی میراث کے مستحق وہ لوگ کیسے ہوسکتے ہیں جو نہ گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں؛ نہ تلوار اٹھاتے ہیں اور نہ ہی دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اسلام نے اس ظالمانہ قانون کا خاتمہ کیا اور اس نے بالکل مرد ہی کی طرح عورت کو بھی ترکہ کا مستحق قرار دیا ہے؛ بلکہ مردوں کے بالمقابل عورتوں کو ایک گونہ فوقیت حاصل ہے کہ عورت عام طور پر وراثت سے محروم نہیں ہوتی ہے، تاہم اسلام نے بعض ضروری مصالح کی بناء پر مرد اور عورت کو ملنے والے حصے میں فرق کیا ہے۔ کہ عورت کو زیادہ تر صورتوں میں مرد سے آدھا حصہ ملتا ہے اور مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''**للذکر مثل حظّ الأنثیین**'' اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے عورت پر کوئی خرچ، یہاں تک کہ اپنا خرچ بھی لازم نہیں ہے؛ بلکہ شادی سے پہلے اس کے اخراجات کی ذمہ داری اس کے اولیاء پر اور شادی کے بعد اس کے شوہر کے ذمہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے جتنا کچھ بھی مل رہا ہے، وہ محض اس کی دل جوئی اور عزت افزائی کے لیے ہے۔ اس کے برعکس مردوں پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، وہ نہ صرف یہ کہ اپنے معاش کے سلسلے میں خودکفیل ہوتا ہے؛ بلکہ رشتہ داروں، بال بچوں کے طعام، کپڑے، ادویات تعلیم وغیرہ کا خرچ اور دیگر لازمی اخراجات کا بار بھی اسی پر ہوتا ہے۔ بیوی کے مہر کی ادائیگی پر بھی ایک خطیر رقم صرف کرنی پڑتی ہے۔ اپنی لڑکیوں کی شادی کرنا بھی اسی کے فرائض میں شامل ہے۔ تو ہر چند کہ مرد کو ترکہ میں سے دوگنا حصہ ملتا ہے؛ لیکن اس لازمی اخراجات کے سامنے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور عورت کو اگرچہ مرد کے حصہ کا نصف ملتا ہے؛ لیکن چوں کہ واجبی اخراجات کے لیے اس کے پاس کوئی مصرف نہیں ہے۔ اس لیے وہ نصف بھی اس کے لیے بہت زیادہ ہے۔ اس مصلحت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **الرِّجال قوّامونَ علی النساء بما فضّلَ اللّٰہ بعضَھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم** (النساء،۳۴) مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد (عورتوں کی حاجت پر) اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے نظام وراثت میں عورت اور مرد کے مابین جو فرق ہے؛ وہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے عین مطابق ہے۔

عورت کے لیے پردہ کا حکم کیوں؟

اسلام ایک ایسے عفت مآب پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے، جس میں عورت کی عفت وعصمت محفوظ ہو، اس کی پاک دامنی اور دوشیزگی کو سلامتی حاصل ہو، اس کی معصومیت پر کوئی غلط نگاہ نہ ڈالے، اس کی فطری خوبصورتی کو کوئی شہوت پرست، بیہودگی کے ساتھ نہ گھورے اور اسے ہوسناک نگاہوں کا شکار نہ بنائے۔ اسلام ایک ایسی سوسائٹی دیکھنا چاہتا ہے،

جس میں پاکیزہ خیالی اور نیک نیتی کا چلن ہو، صنفی انتشار، لامرکزی ہیجانات اور فحاشی وآوارگی کا رجحان نہ ہو۔ جس کا اصل مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں کبھی زنا کاری اور بدکاری کے واقعات قطعاً پیش نہ آئیں؛ اس لیے کہ فواحش وزنا کاری ایسی مہلک بیماری ہے؛ جس کے خطرناک اثرات صرف اشخاص وافراد ہی تک محدود نہیں رہتے؛ بلکہ پورے پورے خاندان اور قبیلہ کو اور بعض اوقات بڑی بڑی آبادی کو تباہ کردیتے ہیں۔

تو جس طرح دیگر معاملات میں اسلام کا یہ اصول ہے کہ اس نے جن چیزوں کو بھی انسانیت کے لیے مضر اور نقصان دہ قرار دے کر قابل سزا جرم قرار دیا تو صرف اسی پر نہیں؛ بلکہ ان کے مقدمات پر بھی پابندی عائد کردی۔ اسی طرح شریعت نے زنا اور بدکاری کے انسداد کلی اور اس کے مکمل روک تھام کے لیے اس کے مبادیات پر بھی پابندی عائد کردی۔ اور اس مقصد کے لیے مرد وعورت میں سے ہر ایک کو چند لازمی ہدایات دی گئیں:

مردوں کو غض بصر یعنی نگاہیں نیچی رکھنے اور پاکیزہ خیالی کا حکم دیا گیا اور بدنظری کو آنکھ کا زنا قرار دیا گیا؛ **قال رسول اللہ ﷺ: زنا العینین النظر**۔ (ابوداؤد: ۱/۲۲۹)

اسی طرح عورتوں کو بھی نظریں بچانے، خیالات پاکیزہ رکھنے اور اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا۔ **قل للمومنین یغضوا من أبصارھم و یحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللّٰہ خبیربما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن** (النور: ۳۱) اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا طریقہ ہے۔ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کریں۔

مرد وعورت کے بے محابا اختلاط اور میل جول کو ممنوع قرار دے کر عورتوں کو بنیادی طور پر گھر کی چہار دیواری میں رہنے کی ہدایت کی گئی۔ اور زمانۂ جاہلیت کی طرح حسن و جمال کی آرائش اور زیب وزینت کے اظہار کو ممنوع قرار دیا گیا۔ **وقَرنَ فی بُیوتِکُنَّ و لا تبرَّجنَ تَبرُّجَ الجاھلیۃِ الأولیٰ** (الأحزاب: ۳۳) تم اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھی رہو۔ اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق بناؤ سنگار دکھلاتی نہ پھرو۔

عورتوں کے لیے جھنکار اور آواز والے زیورات کے استعمال، بھڑک دار لباس اور خوشبو کے استعمال اور مخفی زیب وزینت کے اظہار کو ممنوع قرار دے دیا گیا:

و لا یضربن بارجلھن لیبدین ما یخفین من زینتھن (النور: ۳۱) اور اپنے پاؤں زمین پر اس طرح مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہوجائے۔

بوقت ضرورت خواتین کو گھر سے نکل کر ضرورت کی تکمیل کے لیے باہر جانے کی اجازت دی گئی؛ لیکن اس کو اس شرط کے ساتھ مشروط کردیا گیا کہ نکلنا بے محابا نہ ہو؛ بلکہ نکلتے وقت پوری طرح باپردہ ہوکر نکلیں؛ برقع یا لمبی چادر سے پورے بدن کو چھپالیں۔

یایھا النبی قل لازواجک و بناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن، ذلک ادنیٰ ان یُعرفن فلایوذین. (الأحزاب: ۵۹)

اے پیغمبر! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی اور انہیں ستایا نہیں جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے ''جلباب''، یعنی لمبی چادر لٹکا کر چہروں کو چھپالیں اور راستہ دیکھنے کے لیے صرف آنکھ کھلی رکھیں''۔ (تفسیر ابن کثیر)

پردے کے سلسلے میں اس قدر تاکیدی احکامات اس لیے دیے گئے ہیں کہ خواتین کی صنف پوری طرح ''عورت''، یعنی پردے کی چیز ہے؛ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان** (ترمذی: ۱/۲۲۲) کہ عورت سراپا پوشیدہ رہنے کی چیز

ہے۔ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان نما انسان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔ لہٰذا شیطان کی فتنہ سامانیوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بلا ضرورت گھر سے نکلیں ہی نہیں۔ اور اگر ضرورت کے تحت نکلنا ہی پڑے تو پوری طرح پردے میں لپٹ کر نکلیں۔

پردہ خواتین کی عفت وعصمت کا محافظ:

حیا کسی بھی سلیم الفطرت عورت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ اور اس سرمایہ کا سب سے بڑا محافظ پردہ ہے۔ عورت کی حیا وشرم طبعی کا تقاضہ ہے کہ وہ اپنوں کے سوا غیر مردوں سے پردے میں رہے۔ نہ وہ کسی اجنبی کو دیکھے، نہ کوئی اجنبی اس کو دیکھے۔ بے حیائی، بے پردگی، عریانیت خواتین کی نسوانیت کو مجروح اور اس کی فطرت کو مسخ کرنے والی چیز اور فتنہ وفساد کی داعی ہے۔ بے پردگی اور حیا کبھی بھی ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اور کوئی باغیرت خاتون کبھی بھی بے پردگی کو برداشت نہیں کرسکتی۔

چنانچہ ابوداؤد میں ام خلادؓ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ منقول ہے کہ ان کا بیٹا حضورﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں گیا ہوا تھا۔ جنگ کے بعد جب ان کا بیٹا واپس نہیں آیا تو بے تابی کے عالم میں وہ حضورؐ کی خدمت میں اس حال میں پہنچیں کہ وہ چہرے پر نقاب ڈالے ہوئی تھیں۔ وہاں پہنچ کر دریافت کیا یا رسول اللہ! میرے بیٹے کا کیا ہوا؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ تمہارا بیٹا تو اللہ کے راستے میں شہید ہوگیا۔ یہ اطلاع ان پر بجلی بن کر گری۔ تاہم انہوں نے مثالی صبر وضبط کا مظاہرہ کیا۔ اسی حالت میں کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ تم اتنی پریشانی کے عالم میں اپنے گھر سے نکل کر آئی ہو، پھر بھی تم اپنے چہرے پر نقاب ڈالی ہوئی ہو۔ اس ہنگامی موقع پر بھی تم نقاب ڈالنا نہ بھولیں۔ جواب میں امّ خلادؓ نے کہا: **ان ازرأ ابنی فلن أزرأ حیائی** یعنی میرا بیٹا تو فوت ہوگیا ہے لیکن میری حیا کا ابھی جنازہ نہیں نکلا ہے کہ میں بے پردہ یہاں آجاتی۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد، ۲۳۲۷)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آں حضرتﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے صحابہ سے سوال کیا کہ بتلاؤ کہ عورت کے لیے کون سی بات سب سے بہتر ہے؟ صحابہ کرامؓ خاموش رہے۔ کسی نے جواب نہیں دیا۔ پھر جب میں گھر گیا اور حضرت فاطمہؓ سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: **لا یرین الرجال ولا یرونهن** کہ عورت کے لیے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں، نہ مرد ان کو دیکھیں۔ میں نے ان کا جواب رسول اللہ سے نقل کیا تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہؓ میری لخت جگر ہیں، اس لیے وہ خوب سمجھیں۔ (مسند بزار، دار قطنی) معلوم ہوا کہ جنتی عورتوں کی سردار کی نگاہ میں عورتوں کے لیے سب سے بہتر چیز پردہ ہے۔

صحابیات کا یہ حال تھا کہ زندگی تو زندگی، شدت حیا کی بنیاد پر مردوں سے ان کی موت کے بعد بھی پردہ کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جس حجرۂ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں اس کمرہ میں میں جب داخل ہوتی تو میں پوری طرح پردہ نہیں کرتی تھی۔ میرا یہ خیال تھا کہ اس حجرے میں میرے شوہرؐ اور میرے والد ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی اور مدفون نہیں ہے۔ اور ان دونوں سے پردہ نہیں ہے؛ لیکن جب ان کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی دفن کردیئے گئے تو بخدا اس کے بعد میں جب بھی حجرۂ مبارکہ میں جاتی تو حضرت عمرؓ سے حیا کی وجہ سے پوری طرح باپردہ ہوکر جاتی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل)

معلوم ہوا کہ پردہ وجہ حبس وقید نہیں، بلکہ شرم حیا کا آئینہ دار اور عزت وعصمت اور نزاکت ولطافت کا محافظ ہے۔ اور کسی بھی شریف خاتون کے لیے ایک متاع گراں مایہ ہے۔ لیکن جب کسی سے حیا کا مادہ ختم ہوجائے؛ تو لازمی طور پر وہ پردہ کو بوجھ سمجھے گی۔ اور بے پردگی کو آزادی خیال کرے گی۔ اور آزادی کے زعم کے تحت وہ سب کچھ کرے گی جس سے انسانیت کا سر شرم سے جھک جائے۔ حقیقت ہے: **اذا فاتک الحیاء فاصنع ماشئت.** بے حیا باش! ہر چہ خواہی کن! اور یہ کوئی مفروضہ نہیں بلکہ بے پردگی اور بے حیائی کے نتیجے میں پوری دنیا، بالخصوص یورپ وامریکہ میں فحاشی وبدکرداری کا ایسا مکروہ ترین سیلاب آیا ہوا ہے اور جنسی بے راہ روی اور اخلاق باختگی کا ایسا طوفان آیا ہوا ہے؛ جسے دیکھ کر شیطان شرما جائے!۔

۞۞۞

چند سماجی برائیاں

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی (رکن بورڈ، پٹنہ)

اسلام نے اچھے اخلاق اور اچھی صفتوں کے پیدا کرنے ،اسے زندگی میں برتنے ،اور بڑے مشکل حالات میں بھی اس پر سختی سے کار بند رہنے پر زور دیا ہے۔وہ چاہتا ہے کہ معاشرہ میں صالح قدروں کو رواج دیا جائے ،صفات خبیثہ اور اعمال رذیلہ سے پرہیز کیا جائے ،دوستی صرف اللہ کے لیے ہو،اور معیاری ہو اور دشمنی بھی اللہ کے لئے ہو،اور اس میں بھی اخلاق کریمانہ کا پاس وخیال رکھا جائے۔

لیکن آج کا انسان پابندیوں کو پسند نہیں کرتا،وہ اخلاق حسنہ سے آزاد زندگی گزارنے کا عادی اور خوگر ہو گیا ہے،ہمارا سماج برائیوں کی وجہ سے کراہ رہا ہے،چوٹ خود پر پڑتی ہے تو آدمی بلبلا جاتا ہے،دوسروں سے فائدہ اٹھانا ہو تو حلال وحرام کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی،ضرورت ہے کہ ان سماجی برائیوں کی نشاندہی کی جائے ،قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کے مضر اثرات لوگوں کے سامنے رکھے جائیں،یہ نہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی بھی ہے اور سماج کے غلط سمت کو صحیح اور مثبت رخ دینے کی ایک کوشش بھی، انہی احساس کے ساتھ یہ مضمون سپرد قلم کیا گیا،اللہ کرے یہ بانگ رحیل ،کاروان کے دل میں احساس زیاں پیدا کر سکے کہ یہی صالح معاشرہ کی تشکیل کے لیے پہلا زینہ ہے۔

خدا بیزاری:

سماج میں جو سب سے بڑی بُرائی ہے وہ خدا بیزاری کی ہے،خدا بیزاری کا مطلب بے لگام ہو جانا ہے ،جب ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں ،حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے ہیں،فرشتوں،آسمانی کتابوں ،رسولوں اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں،اچھی بُری تقدیر کی تصدیق کرتے ہیں،اور اسے من جانب اللہ مانتے ہیں تو ہمیں اس کے احکام پر چلنا بھی ضروری ہے،ایمانیات کا جامد اقرار دوسرے کسی مذہب میں کافی ہو تو ہو اسلام میں کافی نہیں ہے،اسلام کا مطالبہ ہے کہ ہمارے اعضاء وجوارح ہماری فکر،ہماری سوچ،ہمارا طرز عمل،ہمارے معاملات،ہماری معاشرت اور ہماری عبادات کو بھی خدا کے بنائے سانچے میں ڈھلا ہونا چاہئے،ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے مذہب کی رسی کو چھوڑ دیا ہے اور خدا بیزار سماج کے فرد بن گئے ،اس لئے ہمارے اخلاق وعادات،خود ساختہ مذہب کے تابع ہو گئے ،آباء واجداد کا ہر عمل ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ بن گیا،حالانکہ ہمارے لئے اسوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہے اور ہمیں اس اچھے نمونے کی پیروی کرنی تھی ہم نے اسی نمونہ کو چھوڑ کر بہت سارے افراد کی زندگی کو نمونہ بنا لیا ہے،اسی میں کامیابی ڈھونڈنے لگے،نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ہر محاذ پر ناکام و نامراد ہو گئے،سکون وچین ہماری زندگی سے چھن گیا،اور ہم پریشانی اور مشکلات کی اس دلدل میں جا پڑے،جس سے نکلنے کی کوشش کا خیال بھی ہمارے ذہن سے نکل گیا ہے یا نکلتا جا رہا ہے۔

منافقت:

دل میں کچھ اور زبان پر کچھ،اسلام کی نظر میں منافقت ہے۔منافق آستین کا سانپ ہوتا ہے،جس سے بچنا بہت مشکل ہے،وہ معاشرہ بلکہ اپنی سوچ کے اعتبار سے خدا کو بھی دھوکہ دیتا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ صرف اپنے کو دھوکہ دیتا ہے اور اللہ رب العزت نے اعلان کر دیا ہے کہ ایسے لوگ جہنم کے آخری درجہ میں اپنے اس مذموم حرکت کی سزا بھگتیں گے۔

ہمارے سماج میں یہ بیماری عام ہے،بیش تر لوگ حقیقتاً جیسے ہیں،ویسا نظر نہیں آتے ہیں اور جیسا نظر آتے ہیں ویسا وہ اندر سے نہیں ہوتے،منافقت کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ ہم کسی کو برا سمجھیں لیکن اس کے جاہ و

منصب، مال و دولت کی وجہ سے اس کی تعریف کرتے رہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار خصلتیں اگر کسی میں جمع ہو جائیں تو وہ منافق ہے اور اگر چاروں میں سے ایک پائی جائے تو یہ منافقت کی علامت ہے وہ چار خصلتیں یہ ہیں، امانت میں خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، اور جھگڑا کرے تو بدزبانی پر اتر آئے، ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانی ہے، جب بات کہے تو جھوٹ کہے، وعدہ کرے تو پھر جائے، اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دیدے، گرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو، اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو، اللہ رب العزت نے یہ بھی اعلان کیا کہ منافق جھوٹے ہیں۔

جھوٹ:

انسان کی ساری برائیوں میں جھوٹ سب سے قابل نفرت اور قابل مذمت ہے، یہ اُمُّ الأ مْرَاض اوراُمُّ الْـمَـعْصِيَـۃ ہے، اس کے بطن سے گناہ جنم لیتے ہیں، اسی قرآن واحادیث میں اس پر سخت نکیر کی گئی ہے، قرآن کریم میں کَا ذِبِیْن پر اللہ کی لعنت کا ذکر ہے۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ جھوٹ گناہ پر مائل کرتا ہے اور گناہ دوزخ میں لے جانے والی چیز ہے، آدمی جھوٹ بولتے بولتے اللہ کے یہاں کذاب یعنی بڑا دروغ گو لکھا جاتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہی کافی ہے سنی سنائی باتیں لوگوں سے کہتا پھرے، ایک روایت میں ہے کہ جس نے میری کوئی حدیث نقل کی اور سمجھ رہا ہے کہ یہ غلط ہے، وہ دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے یعنی ایک جھوٹا تو وہ ہے کہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا یعنی روایت گڑھی اور ایک وہ جو اس کو نقل کرتا پھر رہا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن کے اندر بہت سی خرابیاں پائی جا سکتی ہیں، سوائے خیانت اور جھوٹ کے، مؤطا امام مالک کی ایک روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

ان ارشادات کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر حال میں جھوٹ سے بچا جائے، بچوں کو بہلانے پھسلانے کے لیے بھی جھوٹ نہ بولا جائے، بچوں کو جھوٹ کے نقصانات بتائے جائیں، اور ان کے ذہن میں بیٹھا دیا جائے کہ جھوٹ سے آدمی ہلاکت میں مبتلا ہوتا ہے، مزاح اور مذاق بھی جھوٹ پر مبنی نہ ہو ل، مدح اور تعریف میں بھی مبالغہ سے پرہیز کیا جائے، اس لئے کہ یہ بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے، جھوٹ لکھنے سے بھی گریز کیا جائے، تجارت، سیاست، معاملات سب کی بنیاد میں صدق وصفا کو رواج دیا جائے، اور پورے سماج سے جھوٹ کو اکھاڑ پھینکا جائے۔

تکبر:

قابل تعریف صفات میں اپنے کو دوسروں سے بڑھ کر سمجھنا اور اپنے علاوہ دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھنا، تکبر ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبر حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔

قرآن کریم میں اس کے نقصانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے دور ہی رکھوں گا، جو تکبر کرتے ہیں، جس کا ان کو کوئی حق نہیں ہے دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ جب بندہ تکبر کرتا ہے اور حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو گراتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو ذلیل ہو، پھر خود کو بڑا سمجھتا ہے اور لوگوں کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے، یہاں تک کہ لوگ اسے سُوَر سے بھی ذلیل سمجھنے لگتے ہیں۔

تکبر کے پیٹ سے ہی حب جاہ، انانیت، ضد، ہٹ دھرمی، حسد اور اس جیسے دوسرے امراض پیدا ہوتے ہیں، اور اشرف المخلوقات انسان جسمانی، مالی اور اخلاقی اعتبار سے تباہ ہو جاتا ہے۔

کبر سے ہلکی ایک چیز خود پسندی اور عجب ہے، یہ بھی انسانی زندگی کے لئے کبر کی طرح مضر اور نقصان دہ ہے، غزوہ حنین میں جو پریشانی مسلمانوں کو اٹھانی پڑی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی، یہ عجب ہی کا ثمرہ تھا۔

تکبر کا ایک طریقہ اظہار تواضع بھی ہے یعنی یہ سوچ کر تواضع اختیار کرنا کہ لوگ متواضع اور منکسر المزاج کہیں گے، پروفیسر لطف الرحمٰن نے ایک شعر میں اس کی وضاحت کی ہے ؎

عجیب طرز انا ہے یہ خاکساری بھی
قریب سے جو دیکھا تو خدا نکلا

البتہ کسی کی ظاہری وضع وقطع کو دیکھ کر متکبر کا حکم لگانا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ تکبر پوشیدہ اور دل سے تعلق رکھنے والی بیماری ہے اور ظاہری علامتوں سے اس کا پتہ لگانا مشکل امر ہے، یہی وجہ ہے کہ تکبر کے کفر سے اشد اور زنا سے بدتر ہونے کے باوجود اس پر دنیا میں کوئی شرعی حد مقرر نہیں کی گئی اور صرف اسے آخرت پر چھوڑ دیا گیا۔

ریاکاری:

کوئی بھی نیک کام اس غرض سے کرنا کہ لوگ سنیں اور شہرت ہو، یہ ریاکاری ہے، اس کی وجہ سے سارے اعمال صالحہ قیامت میں بیکار ہو جائیں گے، نہ علم کام آئے گا، نہ مال، نہ اللہ کی راہ میں قربانی، نہ غریبوں کو کھانا کھلانا اور نہ دوسرے عبادات، حتی کہ وہ نماز جو ریا اور دکھاوے کے لئے پڑھی گئی ہو، انسان کی تباہی و بربادی کا سبب بن جائے گا، قرآن کریم میں ایسے نمازیوں کے لیے ''فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْن'' فرمایا گیا ہے۔

قرآن کریم میں اس شخص کی مثال جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کیلئے خرچ کرتا ہے، اس چٹان سے دی گئی ہے، جس پر مٹی پڑی ہوئی ہے، پھر زور کی بارش ہوئی تو سب کچھ بہ گیا، اور کچھ ہاتھ نہیں آیا، ریا کے ساتھ کام کرنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ آخرت کے اعتبار سے کچھ ہاتھ نہیں آتا، بلکہ اس کے بدلے میں کچھ عذاب کا ہی سامنا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ اوپر ریاکار نمازیوں کے لیے ﴿ویل﴾ کا ذکر کیا گیا۔

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالی ایسے شخص کو قیامت میں مشہور کر کے رسوا کرے گا، اور جو اللہ کے لئے عمل کرے گا اللہ تعالی اس کو جزا دیں گے، ایک حدیث قدسی ہے کہ جو کوئی ایسا عمل کرے جس میں کسی کو میرا ساتھی بنائے تو میں اسے اور اس کے ساجھے کام کو چھوڑ دیتا ہوں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ریا اعمال کو گھن کی طرح چاٹ کر کھوکھلا بلکہ ختم کر دیتا ہے، اس بیماری کے جراثیم اگر نفس میں گھس گئے تو یہ ریاکار کو جہنم میں دھکیلنے کے لئے کافی ہے، اسی لئے اسلام میں ریا اور اخلاص سے عاری عمل پر سخت تنقید کی گئی ہے، جسکا تقاضہ ہے کہ طلباء و اساتذہ، علماء، دانشور، سرکاری اہل کار، مصلحین، ریفارمر اور ہر اعمال خیر کرنے والا، اپنی نیت کو اللہ کے لئے خالص کرے، اس لیے کہ دین خالص اللہ کا حق ہے ﴿زمر: ۳۰﴾ اور اعمال کا دارومدار نیت ہی پر ہے، نیت کی درستگی اور ریا سے اجتناب کے باوجود اگر عمل خیر کی شہرت ہو اور لوگ تعریف کریں تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ مؤمن کے لیے پیشگی خوشخبری ہے۔

۞۞۞

اعلان ملکیت و دیگر تفصیلات

فارم (۴) قاعدہ نمبر (۸)

رسالہ کا نام: سہ ماہی خبر نامہ
مقام اشاعت: نئی دہلی
مدت اشاعت: سہ ماہی
پرنٹر، پبلیشر و ایڈیٹر کا نام: سید نظام الدین
قومیت: ہندوستانی
پتہ: ۱۷۶ اے/۱، مین بازار اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی

میں سید نظام الدین تصدیق کرتا ہوں کہ متذکرہ بالا امور میرے علم و یقین سے صحیح ہیں۔

دستخط
سید نظام الدین

تفہیم شریعت کمیٹی

(مختصر رپورٹ مارچ ۲۰۱۳ء تا اپریل ۲۰۱۴ء)

مرتب: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (سکریٹری بورڈ و کنوینر کمیٹی)

۲۹، ۳۰/اپریل و یکم مئی ۲۰۰۵ء کو بھوپال میں منعقد ہونے والے بورڈ کے اٹھارھویں اجلاس عام میں تفہیم شریعت کمیٹی بنائی گئی تھی؛ تاکہ وکلاء، قانون داں، اور دانشوروں کو پرسنل لا سے متعلق قانون شریعت سے باخبر کیا جائے، شریعت اسلامی میں انسانی ضرورت و مصلحت کی جو رعایت، اور فطرت انسانی سے جو ہم آہنگی ہے اسے واضح کیا جائے، شرعی قوانین کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، انہیں دور کیا جائے، اور علماء و اصحاب قانون کی مجالس مذاکرہ منعقد کی جائیں؛ تاکہ علماء کو پرسنل لا سے متعلق قانونی صورت حال، اور قانون دانوں کو شرعی نقطۂ نظر جاننے میں سہولت ہو، حضرت مولانا سید جلال الدین عمری (امیر جماعت اسلامی ہند) اس کمیٹی کے کنوینر مقرر ہوئے، اور ان کی قیادت میں دہلی میں تفہیم شریعت کے کئی کامیاب پروگرام منعقد ہوئے، پھر جب جماعت کی امارت کی ذمہ داری ان سے متعلق ہوئی تو انہوں نے معذرت کر دی اور ۲۰۰۸ء میں اس حقیر کو کمیٹی کا کنوینر مقرر کیا گیا؛ چنانچہ اس کے بعد ملک کے مختلف بڑے شہروں کلکتہ، اندور، برہانپور، احمد آباد، کشمیر، کالی کٹ، بنگلور، گلبرگہ، دہلی، علی گڑھ، لکھنؤ اور کولہاپور وغیرہ میں تفہیم شریعت کا پروگرام ہوا، اور اس کام میں استمرار اور دوام پیدا کرنے کی غرض سے دہلی و لکھنؤ میں ریاستی سطح پر تفہیم شریعت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا، اس کے علاوہ اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں امارت شرعیہ مرہٹھواڑہ کے تحت تفہیم شریعت کمیٹی قائم ہوئی، جو وہاں کے ممتاز علماء و وکلاء پر مشتمل ہے، اسی طرح حیدرآباد میں خواتین کے لئے "تفہیم شریعت کمیٹی" کا قیام عمل میں آیا۔

بورڈ کے تیئسویں اجلاس عام اجین منعقدہ ۲۲ تا ۲۴/مارچ ۲۰۱۳ء کے درمیان اور اس کے بعد تفہیم شریعت پر جو کام ہوا وہ حسب ذیل ہیں:

۲۲ تا ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء کو اجین میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا تیئسواں اجلاس منعقد ہوا، یہاں درمیانی شب میں مختلف شہروں سے تعلق رکھنے والے بورڈ کے منتخب ارکان و مدعوئین اجلاس کی ایک نشست رکھی گئی؛ تاکہ تفہیم شریعت کے کام کو فروغ دینے کے سلسلہ میں طریقہ کار سے متعلق مشورہ کیا جا سکے؛ چنانچہ بڑے اہم مشورے سامنے آئے، اس سلسلے میں بنیادی طور پر ایک مشترکہ مشورہ یہ تھا کہ پہلے اس موضوع پر دو تین دنوں کا ورکشاپ منعقد کیا جائے، جس میں ان مسائل پر گفتگو کی جائے جن کو تفہیم شریعت پروگرام کے تحت لایا جانا چاہئے، پھر مختلف ریاستوں میں تفہیم شریعت کمیٹی قائم کی جانی چاہئے، نیز ایک ایسا مختصر لٹریچر بھی اردو، انگریزی اور مختلف زبانوں میں ہونا چاہئے جو غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کرتا ہو، اور جو اس موضوع پر گفتگو کرنے والوں کے لئے ایک کلید ثابت ہو۔

۳۱/مارچ ۲۰۱۳ء کو شولاپور میں تفہیم شریعت کے موضوع پر پروگرام ہوا جس سے اس حقیر نے خطاب کیا، شہر چونکہ مہاراشٹر، آندھرا پردیش کے سنگم پر ہے، اس لئے اس میں پونہ، بیجاپور اور گلبرگہ سے بہت سے علماء و اہل دانش آگئے تھے۔

۱۴/اپریل ۲۰۱۳ء کو امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کے زیر انتظام کلکتہ میں صبح ۹ رتا بعد نماز ظہر مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب (ناظم امارت شرعیہ) کی صدارت میں تفہیم شریعت کا اجلاس منعقد ہوا، مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب اور اس حقیر نے خطاب کیا اور سوالات کے جوابات دیئے گئے۔

۱۴-۱۵؍مئی۲۰۱۳ء کو تفہیم شریعت کمیٹی برائے خواتین حیدرآباد کی طرف سے قانون دانوں اور تعلیم یافتہ خواتین نیز معلمات وطالبات نے بڑی تعداد میں شرکت کی، افتتاحی اجلاس میں حیدرآباد میں موجود بورڈ کے اکثر ارکان نے شرکت کی، اور خطاب کیا، اس دوروزہ پروگرام میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحت آنے والے مسائل پر شہر کے ممتاز علماء وارباب افتاء نے گفتگو کی، اورسوالات کے جوابات دیئے، جناب جلیسہ سلطانہ یٰسین ایڈوکیٹ اوران کی رفقاء نے اس اجلاس کا انتظام کیا تھا۔

۳۰؍جوان۲۰۱۳ء کو امارت شرعیہ بہار اوراڑیسہ کے زیر انتظام جھارکھنڈ کے صنعتی شہر جمشید پور میں تفہیم شریعت کا پروگرام منعقد ہوا، اس میں رانچی اور جمشید پور کے علماء اوروکلاء کے علاوہ پورے ملک سے آئے ہوئے قضاۃ کی ایک بڑی جماعت بھی شامل تھی، یہ اجلاس امیر شریعت حضرت مولانا سیدنظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ کی صدارت میں منعقد ہوا، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی اورمولانا عبیداللہ اسعدی کے علاوہ اس حقیر نے موضوع سے متعلق خطاب کیا۔

مؤرخہ۴؍مارچ ۲۰۱۴ء کو بعد نماز مغرب گودھرا (گجرات کے ایک کالج کے وسیع میدان میں) شہر اور مضافات کے علماء ووکلاء اوراصحاب دانش کا اجتماع ہوا، اور خواص کی بڑی تعداد شریک ہوئی، صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے اس اجلاس کی صدارت فرمائی اور صدر محترم کے حکم پر اس حقیر نے مسلم پرسنل لا سے متعلق ان مسائل پر گفتگو کی جن کے بارے میں غلط فہمی پائی جاتی ہے، نیز سوالات کے جوابات بھی دیئے گئے۔

مؤرخہ ۲۲-۲۳؍مارچ ۲۰۱۴ء کو حیدرآباد میں دوروزہ تفہیم شریعت ورکشاپ منعقد ہوا، جس میں حیدرآباد کے علاوہ دہلی کشمیر، پنجاب، راجستھان ،تملناڈ، کرناٹک، کیرالہ، مدھیہ پردیش، اتراکھنڈ اور گجرات وغیرہ سے علماء وارباب افتاء اور قانون داں حضرات نے شرکت کی (اس ورکشاپ کی رپورٹ علیحدہ سے اسی رپورٹ کے ذیل میں شامل اشاعت ہے)۔

مؤرخہ ۲۰؍مئی ۲۰۱۴ء کو جامع مسجد ممبئی میں تفہیم شریعت کا پروگرام منعقد ہوا، شہر کے وکلاء اور علماء واصحاب افتاء کی اچھی خاصی تعداد میں شرکت ہوئی، بورڈ کی لیگل کمیٹی کے چیئر مین ڈاکٹر یوسف حاتم مچھالا بھی شریک رہے، مفتی امان اللہ قاسمی شری وردھن نے صدارت کی، اس حقیر نے اور محترم مچھالا صاحب نے مسائل پر روشنی ڈالی، اورسوالات کے جوابات دیئے، ممبئی کے اردواخبارات نے اسے نمایاں طور پر شائع کیا۔ ۞۞

ورکشاپ کی رپورٹ

مرتب: مولانا محمد زبیر ندوی (المعہد الاسلامی، حیدرآباد)

مسلم پرسنل لا شریعت اسلامی کا نہایت اہم شعبہ ہے، اس پر مسلمانوں کی شب وروز کی زندگی کا بڑا حصہ منحصر ہے، اور جس کا تعلق انسانی حقوق اور مسلمانوں پر بحیثیت مسلمان عائد ہونے والی اجتماعی ذمہ داریوں سے بھی ہے، مسلم پرسنل لا کے بقاء وتحفظ کی خاطر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مدت سے کوشاں ہے، اور بڑی حد تک اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہے، اللہ اس کی کوششوں کو بارآور کرے اور سعی مشکور سے نوازے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ایک ذیلی شعبہ تفہیم شریعت کمیٹی بھی ہے، جس کا مقصود مسلم پرسنل لا کے تئیں پیدا ہونے والے اشکالات اور مسلم وغیر مسلم بھائیوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ، نیز علماء وارباب افتاء اور وکلاء وقانون دانوں کے درمیان مسلم پرسنل لا کے بارے میں مذاکرات کی فضاء ہموار کرنا ہے۔

اسی مناسبت سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد اور تفہیم شریعت کمیٹی آندھرا پردیش برائے خواتین کے اشتراک سے مؤرخہ ۲۰-۲۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ ۲۲،۲۳؍مارچ ۲۰۱۴ء ایک دو روزہ تفہیم شریعت ورکشاپ کا انعقاد کیا، جس میں ہندوستان کی قریب قریب تمام ہی ریاستوں سے تقریباً ایک سو علماء، وکلاء، دانشوران اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کی شرکت ہوئی، اورانہوں نے ورکشاپ میں پیش کردہ محاضرات سے استفادہ کیا۔

اس ورکشاپ کے سرپرست محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ) کنوینر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (سکریٹری بورڈ) تھے، جب کہ جوائنٹ کنوینر محترمہ جلیسہ یٰسین

ایڈوکیٹ (کنوینر تفہیم شریعت کمیٹی آندھراپردیش برائے خواتین) تھیں، یہ ورکشاپ اختتامی نشست اوراجلاسِ عام کے علاوہ ۶؍نشستوں پر مشتمل تھا۔

۲۲؍مارچ ۲۰۱۴ء بروز ہفتہ افتتاحی نشست صبح ۹؍بجے تا۱۱؍بجے حضرت مولانا مفتی محمد اشرف علی باقوی صاحب (بنگلور، رکن عاملہ بورڈ) کے زیر صدارت منعقد ہوئی، جسٹس شاہ محمد قادری صاحب (معزز رکن بورڈ) نے افتتاحی خطبہ دیا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے ورکشاپ کے مقاصد پر روشنی ڈالی، شہر حیدرآباد سے بورڈ کے معزز ارکان مولانا سید قبول احمد پاشا شطاری صاحب، مولانا محمد جعفر پاشا صاحب اور جناب ڈاکٹر متین الدین قادری صاحب کے علاوہ مفتی محمد صادق محی الدین صاحب (سابق مفتی جامعہ نظامیہ حیدرآباد) کے خطابات ہوئے۔

دوسری نشست صبح ۱۱:۳۰ تا ۱:۳۰ ہوئی، جس میں طلاق کے لئے تحکیم کی شرط اور عدالتوں کے فیصلے، مسلم پرسنل لا بورڈ۔ دستور ہند کے آئینہ میں، نفقۂ مطلقہ اور عدالتوں کے فیصلے جیسے اہم عنوانات پر محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب، پروفیسر شکیل احمد صمدانی صاحب (علی گڑھ) جناب عبدالعلام صاحب سینئر ایڈوکیٹ (رانچی) نے قیمتی اور مفصل محاضرات دئے، نیز سوالات کے جوابات بھی دئے گئے۔

تیسری نشست ۲:۳۰ تا ۵؍بجے شام ہوئی، جس میں یکساں سول کوڈ۔ دستور ہند کی روشنی میں کے موضوع پر جناب اقبال احمد انجینئر صاحب (حیدرآباد) نے، نکاح رجسٹریشن قانون اور عمر نکاح سے متعلق قانون پر جناب عبدالقدیر ایڈوکیٹ صاحب (الہ آباد) نے، اور متبنیٰ سے متعلق مقدمہ کے فیصلہ پر جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے مفصل روشنی ڈالی، اور دستور ہند میں مندرج قوانین سے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کیں۔ ۵ تا ۵:۳۰ وقفہ برائے چائے سوالات و جوابات کا تھا، جس میں حاضرین نے بھرپور حصہ لیا، اور محاضرین نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ان کے جوابات دئے۔

چوتھی نشست بعد نماز مغرب تا عشاء ہوئی، جس کا موضوع ''تفہیم شریعت-مضامین اور طریقہ کار'' تھا، جس میں نکاح، طلاق، خلع، نفقہ، میراث، وصیت اور ہبہ پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بذریعہ پاور پرزنٹیشن تفصیلی محاضرہ دیا۔ جس میں آپ نے تفہیم شریعت کے مضامین پر کس طرح بحث کی جائے، اور اس کے سمجھنے اور سمجھانے کا کیا انداز ہونا چاہئے، اس کو واضح کیا، جب کہ فسخ نکاح-شرائط واسباب کے عنوان پر قاضی سعود عالم قاسمی (حیدرآباد) نے، پاور پرزنٹیشن کے ذریعہ مبسوط محاضرہ دیا اور پھر آدھا گھنٹہ تک سوالات وجوابات کی نشست رہی۔

۲۳؍مارچ بروز اتوار صبح ۹ تا ۱۱؍بجے پانچویں نشست ہوئی، جس میں پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی (علی گڑھ) نے تعدد ازدواج کی اجازت کب اور کیوں؟ کے عنوان پر مفصل خطاب کیا، اور اسلام اور دیگر مذاہب وقوانین کی اس بارے میں کیا رہنمائی ہے، اور موجودہ عالمی معاشرہ میں اس کے تئیں کیا تصورات ہیں؟ پر نہایت قیمتی اور معلومات افزاء خطاب کیا، جب کہ طلاق کا اختیار مرد کو کیوں؟ اور طلاق سے پہلے تحکیم، کے زیر عنوان مولانا عتیق احمد بستوی صاحب (لکھنو) نے اپنا پرمغز مقالہ پیش فرمایا۔ اس مقالہ میں مرد کو حقِ طلاق حاصل ہونے کی سماجی وعقلی حکمتیں اور دیگر پہلوؤں پر نہایت قیمتی اور مناسب گفتگو کی گئی ہے۔

چھٹی نشست ۱۱:۳۰ تا ۱:۳۰؍بجے ہوئی جس کے موضوعات ''یتیم پوتے کی میراث'' اور ''خواتین کا حقِ میراث'' تھے، یتیم پوتے کی میراث پر مولانا محمد عبیداللہ اسعدی صاحب (باندہ) نے اپنی تحریر پیش فرمائی اور گرانقدر معلومات فراہم کیں، اور یتیم پوتا کن حالات میں میراث کا مستحق ہوگا اور کس صورت میں محروم ہوگا؟ اس نکتہ پر بڑی وضاحت اور شرح وبسط سے گفتگو فرمائی، خواتین کے حق میراث پر مولانا فہیم اختر ندوی (حیدرآباد) نے خطاب فرمایا اور عقل ونقل اور مصلحت کی روشنی میں خواتین کے حقِ میراث پر نہایت عمدہ گفتگو کی، سبھی خطابات نہایت نافع رہے، مسلم پرسنل لا سے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ کے سلسلہ میں جو محاضرات پیش کئے گئے، تمام حضرات کو ان کی زیراکس بھی فراہم کی گئی۔

اختتامی نشست دوپہر ۲:۳۰ تا ۳:۳۰، مولانا عبدالحمید ازہری صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس کا موضوع تھا، مختلف ریاستوں میں تفہیم شریعت کا کام کس طرح کیا جائے؟ اس نشست میں اس موضوع پر

مشورہ ہوا جس میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب، مولانا عتیق احمد بستوی صاحب، مفتی صادق محی الدین نظامی صاحب اور صدر نشست نے قیمتی مشوروں سے نوازا، اور تفہیم شریعت کے کام کی توسیع کے لئے مشورے پیش کئے۔

اس موقع پر المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد اور تفہیم شریعت آندھرا پردیش کمیٹی برائے خواتین نے مل کر تفہیم شریعت کے موضوع پر دو کتابیں بھی شائع کیں، ایک ''اسلام کے عائلی قوانین-ایک نظر میں''، جو ۲۲۴صفحات اور تیرہ ابواب پر مشتمل ہے، اسے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے زیر نگرانی جلیسہ یٰسین ایڈوکیٹ صاحبہ نے مرتب کیا ہے، مضامین کے عنوانات اور مضمون نگاروں کے نام اس طرح ہیں:

قانون نکاح-ایک نظر میں	مفتی شاہد علی قاسمی
زوجین-حقوق وفرائض	مولانا محمد اعظم ندوی
قانون نفقہ-فقہ اسلامی کی روشنی میں	مفتی صادق محی الدین نظامی
متبنّیٰ کا مسئلہ-قانون شریعت اور عقل کی روشنی میں	مولانا سید احمد ومیض ندوی
طلاق-اسلامی تعلیمات کی روشنی میں	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
خلع-احکام ومسائل	// // //
قانون فسخ وتفریق-فقہ اسلامی کی روشنی میں	مولانا سعود عالم قاسمی
قانون میراث پر ایک نظر	ڈاکٹر قدوسہ سلطانہ
قانون وصیت	// // //
قانون ہبہ	جلیسہ سلطانہ یٰسین ایڈوکیٹ
عورت اور اسلام	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مسلم پرسنل لا-ایک غلط فہمی کا ازالہ	// // //
یونیفارم سول کوڈ-حقیقت پسندانہ تعارف	// // //

دوسری کتاب ''مسلم پرسنل لا اور بعض غلط فہمیاں'' کے نام سے ہے، جو ۱۱۲صفحات پر مشتمل ہے، یہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی کتاب ہے، جس میں خاص طور پر مسلم پرسنل لا کے ان مسائل سے بحث کی گئی ہے، جن پر عقلی نقطۂ نظر سے اعتراض کیا جاتا ہے، اور غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں، یہ کتاب آٹھ مضامین پر مشتمل ہے، جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ تعدد ازدواج کا مسئلہ ۲۔ طلاق-اسلامی نقطہ نظر

۳۔ طلاق سے پہلے تحکیم ۴۔ کم عمری کی شادی

۵۔ نفقہ مطلقہ کا مسئلہ-شریعت اور عقل کے آئینہ میں

۶۔ لے پالک کا مسئلہ-شریعت اور عقل کی روشنی میں

۷۔ یتیم پوتے کی وراثت ۸۔ حق میراث اور خواتین

۹۔ تفہیم شریعت کے موضوع کی مناسبت سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے گیارہ مختلف اہم رسائل اس موقع سے شرکاء کے درمیان تقسیم بھی کئے گئے، اور ان سے گذارش بھی کی گئی کہ وہ ان کتابوں کا مطالعہ کریں اور تفہیم شریعت کے پروگرام میں ان سے استفادہ کریں۔

اس ورکشاپ کی ایک اہم کڑی اجلاس عام کا انعقاد بھی تھا، جو ورکشاپ کا آخری مرحلہ تھا، یہ اجلاس بعد نماز مغرب تا ۱۰؍بجے شب عیدگاہ اجالے شاہ سعید آباد میں بعنوان ''شریعت اسلامی-دین ودنیا میں کامیابی کی کلید'' منعقد ہوا۔

جس کی صدارت بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے فرمائی، جبکہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے افتتاحی کلیدی خطبہ پیش فرمایا، اس اجلاس میں شہر حیدرآباد سے کثیر تعداد نے شرکت کی، مفتی محمد صادق محی الدین نظامی (حیدرآباد)، پروفیسر شکیل احمد صمدانی صاحب (علی گڑھ)، مولانا عبدالحمید ازہری صاحب (مالیگاؤں)، مولانا محمد وصی احمد قاسمی صاحب (پٹنہ)، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی قاسمی صاحب (ممبئی)، مولانا نذیر احمد صاحب (کشمیر) اور دیگر مقامی وبیرونی مقررین نے خطاب کیا، اجلاس صدر جلسہ کی پرمغز تقریر اور ناظم جلسہ مولانا عمر عابدین قاسمی مدنی صاحب کے کلمات تشکر پر ختم ہوا، اور اس طرح تفہیم شریعت کمیٹی کا یہ دو روزہ تربیتی اور قیمتی ورکشاپ اپنے اختتام کو پہونچا، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور سامعین ومقررین کو اجر عظیم سے نوازے۔

دار القضاء کمیٹی

(مختصر رپورٹ اپریل ۲۰۱۳ء تا مئی ۲۰۱۴ء)

مرتب: مولانا عتیق احمد بستوی (رکن بورڈ و کنویز کمیٹی)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کل ہند پیمانے پر مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے معتبر اور نمائندہ تنظیم ہے، جس میں مسلمانانِ ہند کے تمام مسالک، مکاتب فکر اور حلقوں کی نمائندگی ہے، اس کا بنیادی مقصد اسلام کے عائلی و معاشرتی احکام وقوانین کا تحفظ کرنا، مختلف سطحوں پر مسلم پرسنل لا کے لئے جدوجہد کرنا اور اسلام کے عائلی قوانین کو عامۃ المسلمین میں رواج دینے کے لئے ذہن سازی اور ماحول سازی کرنا ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے ابتداء قیام سے مسلمانوں پر زور دیا ہے کہ اپنے عائلی تنازعات کو اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش کریں، عدالتوں پر مقدمات کا بوجھ بڑھانے کے بجائے اسلام کے دئے ہوئے سادہ اور آسان طریقہ پر دار القضاء اور قاضی کے ذریعہ اپنے جھگڑوں خصوصاً ازدواجی تنازعات کو حل کریں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام (۱۹۷۱ء) سے بہت پہلے سے انگریزوں کے دورِ حکومت ہی سے ملک کے بعض صوبوں (صوبہ بہار و اڑیسہ) میں (۱۹۲۱ء) سے قضاء کا نظام قائم تھا اور قاضیوں کے ذریعہ مسلمانوں کے عائلی تنازعات خوش اسلوبی کے ساتھ حل کئے جارہے تھے، کثیر مسلم آبادی والے صوبہ آسام میں بھی قیام بورڈ سے پہلے امارت وقضاء کا نظام شروع ہوا اور اس سے متصل ریاستوں میں بھی پھیل گیا، قیام بورڈ کے بعد بورڈ کی تحریک و ماحول سازی کے نتیجہ میں چند ریاستوں (کرناٹک، آندھرا پردیش) میں امارت وقضاء کا نظام قائم ہوا، ۱۹۷۲ء کے مسلم پرسنل لا کنونشن (بمبئی) کے اثر سے مہاراشٹر کے دو شہروں (مالیگاؤں، اورنگ آباد) میں دار القضاء قائم ہوئے، جو تسلسل کے ساتھ فصل خصومات کا کام انجام دے رہے ہیں۔

کچھ مدت کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں نے محسوس کیا کہ قیام دار القضاء کے لئے مسلمانانِ ہند سے اپیل کرنا اور انہیں متوجہ کرنا کافی نہیں بلکہ اس میدان میں خود بورڈ کا عملی قدم اٹھانا ضروری ہے، چنانچہ بورڈ کے اجلاس جے پور میں بورڈ کی جانب سے دار القضاء قائم کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا، اس وقت کے صدرِ بورڈ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کو اختیار دیا کہ ملک کے جن علاقوں میں امارت شرعیہ کا نظام نہیں ہے اور وہاں کے لوگ دار القضاء قائم کئے جانے کے خواہشمند ہیں اور اس سلسلہ میں مالی اور انتظامی ذمہ داریاں پورا کرنے پر آمادہ ہیں تو وہاں صدر بورڈ کی طرف سے قاضی مقرر کردیا جائے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ نے متعدد مقامات پر دار القضاء قائم کئے اور بورڈ کی جانب سے قاضی مقرر فرمایا، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم کے دور صدارت میں پانچ نفری دار القضاء کمیٹی تشکیل دی گئی جو تحریک دار القضاء کو آگے بڑھا رہی ہے، جن مقامات سے صدر بورڈ کی خدمت میں قیام دار القضاء کی درخواستیں آتی ہیں ان پر ضروری کارروائی اور جائزہ کے بعد صدر بورڈ کی جانب سے نصب قاضی کا کام کرتی ہے۔

قضاء کا کام اہم اور ضروری ہونے کے ساتھ بہت نازک بھی ہے اس لئے قیامِ دار القضاء میں عجلت سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ پوری تیاری، ماحول سازی اور چھان بین کے بعد ہی دار القضاء قائم کیا جاتا ہے، قاضی مقرر کیا جاتا ہے اور قاضی نیز منتظمہ کمیٹی کو وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کی جاتی ہیں، بورڈ کے دار القضاء کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔

صدر بورڈ کی جانب سے ہر قاضی کو عربی زبان میں سند قضاء تفویض کی جاتی ہے جس میں قاضی کے نام، ولدیت اور سکونت کی صراحت ہوتی ہے اور اس شہر یا علاقہ کا ذکر ہوتا ہے جہاں کے لئے اسے قاضی مقرر کیا جاتا ہے، عام طور پر نئے قاضیوں کو فیصلہ کا اختیار نہیں دیا جاتا، اگر کسی قضیہ میں فریقین کی رضامندی سے کوئی بات طے نہیں پاسکی اور فیصلہ کی ضرورت پیش آئی تو فائل فیصلہ کے لئے کسی سینیئر قاضی کے حوالہ کرنے کی ہدایت ہوتی ہے، سند قضاء میں صراحت ہوتی ہے کی قاضی کو فیصلہ کا اختیار ہے کہ نہیں، اگر نہیں ہے تو وہ فیصلہ کے لئے کسی سینئر قاضی سے رجوع کرے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی زیر نگرانی کام کرنے والے دار القضاؤں کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

دار القضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی زیر نگرانی فی الحال پورے ملک میں ۳۸/ دار القضاء کام کر رہے ہیں، صوبہ مہاراشٹرا میں ۱۹/دار القضاء قائم ہیں جبکہ شولاپور میں ۳۰/مئی ۲۰۱۴ء کو نیا دار القضاء قائم ہوگا اور اس کے علاوہ داپولی ضلع رتنا گیری سے الحاق کی درخواست موصول ہوئی تھی آرگنائزر نے جائزہ لے کر مثبت رپورٹ دی ہے لہذا اس کو بھی منظوری دے دی گئی ہے، کولہاپور، ناگپاڑہ ممبئی اور گوونڈی دار القضاء کے قاضیوں کو فیصلہ کا اختیار نہیں ہے ان دار القضاؤں کو حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی سے منسلک کیا گیا ہے، اسی طرح پوسد، ہنگولی، لاتور کے قاضیوں کو بھی فیصلہ کا اختیار نہیں ہے ان کو قاضی اشفاق احمد صاحب قاسمی دار القضاء اکولہ سے منسلک کیا گیا ہے، پنویل دار القضاء کے مقدمات کا فیصلہ شریوردھن کے قاضی حسین صاحب کرتے ہیں، ان کے علاوہ مہاراشٹرا کے بقیہ تمام قاضیوں کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، صوبہ یوپی میں کل ۱۲/دار القضاء قائم ہیں جن میں سے باغپت، پھلت، کلچھینہ دار القضاء کے فیصلے قاضی محمد کامل صاحب قاسمی کرتے ہیں اور آرگنائزر کی رپورٹ کے بعد علیگڑھ دار القضاء کے قاضی صاحب کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کنوینر دار القضاء کمیٹی کی تحریری موافقت کے بعد فیصلہ جاری کریں، ہریانہ میں دو دار القضاء قائم ہے دونوں جگہوں کے فیصلے قاضی محمد کامل صاحب قاسمی کرتے ہیں، اتراکھنڈ میں صرف دہرادون میں دار القضاء ہے جس کا فیصلہ قاضی محمد کامل صاحب کرتے ہیں، مدھیہ پردیش میں دو جگہ دار القضاء قائم ہے اور دونوں کو فیصلے کا اختیار حاصل ہے، دہلی میں جنوبی دہلی میں دار القضاء ہے قاضی صاحب کو فیصلے کا اختیار حاصل ہے، گجرات میں صرف احمد آباد میں دار القضاء ہے قاضی کو فیصلہ کا اختیار حاصل ہے۔

قاضیوں کو یہ بھی ہدایت دی جاتی ہے کہ اگر کوئی معاملہ سرکاری عدالت میں دائر ہے تو اسے دار القضاء میں نہ لیں الا یہ کہ فریقین مقدمہ سرکاری عدالت سے خارج کرا کے دار القضاء میں لائیں، اگر مقدمہ لے لیا گیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سرکاری عدالت میں دائر ہے تو قاضی مقدمہ کو خارج کردے۔

قاضی کے منصب پر انہیں علماء کو مقرر کیا جاتا ہے جو معتبر ترین دینی اداروں (دار العلوم دیوبند، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ) سے فارغ ہوں فقہ وافتاء سے خاص مناسبت ہو، ورع وتقویٰ سے متصف ہوں، قضاء کی عملی تربیت بھی حاصل کی ہو۔

قاضی کا نصب وعزل صدر بورڈ کے ذریعہ ہوتا ہے، مقامی انتظامیہ کو قاضی بحال یا معزول کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔

الحمد للہ قاضی حضرات کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں، فریقین خوشدلی سے اس پر عمل کرتے ہیں، قاضی کے فیصلوں کے خلاف سرکاری عدالتوں سے رجوع کرنے کے واقعات بہت شاذ ونادر پیش آتے ہیں، دوتین واقعات جو میرے علم میں آئے ان میں ججوں نے قاضیوں کے فیصلوں کو بحال رکھا بلکہ ان کی تحسین کی۔

بورڈ کے قاضیوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل کا نظام موجود ہے، فیصلہ کرنے والے قاضی کے پاس نظر ثانی کی اپیل کی جاسکتی ہے، اگلے مرحلہ میں صدر بورڈ کی خدمت میں اپیل کی جاسکتی ہے، اپیل کی سماعت کے لئے صدر بورڈ کسی تجربہ کار قاضی کو مقرر فرماتے ہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس اجین (مارچ ۲۰۱۳ء) کے بعد دار القضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے جو عملی کارروائیاں کیں اور تحریک دار القضاء کو آگے بڑھانے کے لئے جو اقدامات کئے ان کا مختصر تذکرہ ذیل کی سطروں میں کیا جارہا ہے۔

تربیت قضاء کیمپ

دارالقضاء کمیٹی کے کاموں میں ایک اہم کام تربیت قضاء کیمپ کا انعقاد ہے، تربیتی کیمپوں سے قیام دارالقضاء کے لئے ماحول بنتا ہے، کیمپ میں شریک ہونے والے علماء اور اصحاب افتاء قضاء کے کام کی اہمیت، نزاکت اور اصولوں سے واقف ہوتے ہیں اور شرکاء کیمپ میں سے مختلف علماء اپنے اپنے علاقوں میں قیامِ دارالقضاء کا حوصلہ اور عزم لے کر اٹھتے ہیں اور اس کے لئے کوششیں کرتے ہیں، کیمپ میں شرکت کرنے والے قاضیوں کو امور قضاء کے مختلف مسائل اور کارِقضاء میں پیش آنے والی مشکلات پر تبادلۂ خیال اور مشوروں کا بہترین موقع فراہم ہوتا ہے۔

بورڈ کے اجلاس اجین کے بعد المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں سہ روزہ تربیتِ قضاء کیمپ مؤرخہ ۲۶/۲۷/۲۸/ مارچ ۲۰۱۴ء کو منعقد ہوا، جس میں المعہد العالی الاسلامی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے مختلف مدارس اسلامیہ سے فارغ سو سے زائد فضلاء کے علاوہ آندھرا پردیش اور مہاراشٹرا کے کچھ قضاۃ اور علماء نے شرکت کی، شرکاء کیمپ کی مجموعی تعداد ڈیڑھ سو سے متجاوز تھی۔

کیمپ کے افتتاحی اجلاس میں شہر حیدرآباد کے عمائدین اور علماء نے بھی شرکت فرمائی، سکریٹری بورڈ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کے انتظام اور نگرانی میں یہ سہ روزہ کیمپ کامیابی کے ساتھ چلا، قضاء سے متعلق مختلف موضوعات پر اہم محاضرات ہوئے، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ و جھارکھنڈ کے دو رکنی وفد (حضرت مولانا قاضی عبد الجلیل صاحب قاسمی، جناب مولانا انظار عالم صاحب قاسمی) نے امور قضاء کی تربیت کا کام انجام دیا، نظام قضاء کی ضرورت و اہمیت، ہندوستان اور نظام قضاء، آداب قضاء و قاضی، دعویٰ، شہادت، ذرائع اثبات، مقدمہ کی کارروائی کا طریقہ، اسباب فسخ و تفریق وغیرہ موضوعات پر محاضرات اور مذاکرے ہوئے، حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، حضرت مولانا قاضی عبد الجلیل صاحب قاسمی، جناب مولانا انظار عالم صاحب قاسمی، جناب مولانا تبریز عالم (آرگنائزر دارالقضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) اور احقر کے محاضرات اس کیمپ میں ہوئے۔

دوسرا کیمپ رکن بورڈ جناب مولانا نظام الدین فخر الدین صاحب پونہ کی دعوت پر پونہ شہر میں ۲۷/۲۸/۲۹/ مئی ۲۰۱۴ء کو منعقد ہونا طے پایا ہے اور اس کی تیاریاں جاری ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ اجلاس عاملہ بورڈ (جلگاؤں) ۳۱/ مئی و یکم جون ۲۰۱۴ء سے قبل پونہ کا تربیت قضاء کیمپ حسن و خوبی کے ساتھ اختتام پذیر ہو چکا ہوگا، پونہ کے کیمپ میں صوبہ مہاراشٹرا اور صوبہ مدھیہ پردیش کے قضاۃ شرکت کریں گے ان کے علاوہ ان دونوں صوبوں کے کچھ اہم مدارس کے علماء اور نوجوان فضلاء کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔

تیسرا کیمپ لکھنؤ میں طے کیا گیا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ کے بعد ہوگا، حضرت صدر بورڈ دامت برکاتہم کے مشورہ سے انشاء اللہ اس کی تاریخیں طے کی جائیں گی۔

بورڈ کے اجلاس اجین (مارچ ۲۰۱۳ء) کے بعد جو نئے دارالقضاء قائم ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) دارالقضاء ناگپاڑہ ممبئی

سنٹرل ممبئی میں ایک دارالقضاء کی سخت ضرورت تھی، ممبئی کے فکر مند علماء اصحاب افتاء اور عمائدین شہر کی کوششوں سے اس دارالقضاء کا قیام ۲۹/ اپریل ۲۰۱۳ء کو ہوا، ممبئی کے ممتاز علماء میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، جناب مولانا مفتی سعید صاحب، جناب مولانا محمود دریا آبادی، جناب مولانا رشید احمد ندوی وغیرہم نیز عمائدین میں سے جناب بھائی سلیم صاحب، جناب بھائی سہیل صاحب وغیرہ نے دارالقضاء کے قیام میں خصوصی دلچسپی لی ۲۹/ اپریل ۲۰۱۳ء کو بعد نماز مغرب انجمن اسلامیہ میدان میں قیام دارالقضاء کا عظیم الشان اجلاس ہوا جس میں سکریٹری بورڈ حضرت مولانا محمد ولی رحمانی، سکریٹری بورڈ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، سکریٹری بورڈ جناب عبد الستار یوسف شیخ، کنوینر لیگل کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب ایڈوکیٹ، رکن بورڈ حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب اور کثیر تعداد میں ممبئی شہر کے علماء، عمائدین اور عوام نے شرکت کی، صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی کی طرف سے قاضی محمد فیاض عالم صاحب قاسمی کو سند قضاء تفویض کی گئی، الحمد للہ یہ دارالقضاء بحسن و خوبی

اپنا کام انجام دے رہا ہے۔

(۲) دار القضاء کولہا پور، مہاراشٹرا

کولہا پور سے قیام دار القضاء کی درخواست صدر بورڈ کی خدمت میں آئی تھی، جائزہ وغیرہ کی کارروائی کے بعد مؤرخہ ۲۸/اپریل ۲۰۱۳ء کو صدر بورڈ دامت برکاتہم کی جانب سے وہاں دار القضاء کا قیام ہوگیا، مولانا مفتی محمد اشرف صاحب کو وہاں صدر بورڈ کی جانب قاضی مقرر کیا گیا، نصب قاضی کے پروگرام میں احقر نے اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے شرکت کی۔

(۳) دار القضاء ہنگولی مہاراشٹر

ہنگولی سے بھی قیامِ دار القضاء کی درخواست آئی تھی جائزہ وغیرہ کی کارروائی کے بعد وہاں بھی جولائی ۲۰۱۳ء کو دار القضاء کا قیام عمل میں آ گیا، صدر بورڈ دامت برکاتہم کی جانب سے مولانا محمد شفیق صاحب قاسمی کو قاضی مقرر کیا گیا، نصب قاضی کے پروگرام میں حضرت مولانا عبید اللہ الاسعدی رکن بورڈ و کمیٹی (باندہ)، حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن فاروقی (اورنگ آباد)، جناب مولانا قاضی اشفاق صاحب اکولہ اور احقر نے شرکت کی۔

(۴) دار القضاء لاتور مہاراشٹر

لاتور سے بھی قیام دار القضاء کی درخواست آئی تھی، جائزہ اور ضروری کارروائیوں کے بعد مؤرخہ ۲۴/فروری ۲۰۱۴ء کو دار القضاء کا قیام عمل میں آیا، وہاں کے مخصوص حالات کے پیش نظر پانچ افراد پر مشتمل قاضی کونسل تشکیل دی گئی، جن میں سے دو حضرات جزئی طور پر تربیت یافتہ ہیں، باقی حضرات کو پھلواری شریف جا کر تربیت حاصل کرنے کے لئے کہا گیا ہے، فی الحال وہی دو حضرات ابتدائی کارروائیاں کر رہے ہیں۔

(۵) دار القضاء ناگپور مہاراشٹر

ناگپور میں ایک زمانہ سے فصل خصومات کا کام شرعی پنچایت کی نہج پر ہو رہا تھا، وہاں کے ذمہ داروں کی درخواست آئی کہ ہم لوگ شرعی پنچایت کو دار القضاء کی شکل میں ڈھالنا چاہتے ہیں، اور اسے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی نگرانی میں دینا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں رکن بورڈ جناب عبد الوہاب پاریکھ صاحب نے بھی پوری دلچسپی لی، چنانچہ صدر بورڈ دامت برکاتہم کی اجازت و منظوری سے ۱۴/اپریل ۲۰۱۳ء کو ناگپور میں نصب قاضی کا پروگرام ہوا، صدر بورڈ دامت برکاتہم کی طرف سے مولانا محمد مرتضیٰ صاحب قاسمی کو (جو شرعی پنچایت کے صدر تھے) قاضی مقرر کیا گیا، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری اور جناب مولانا انظار عالم صاحب (امارت شرعیہ بہار واڑیسہ و جھارکھنڈ) نے وہاں کی فائلوں کا جائزہ لیا اور ضروری ہدایات دیں، خصوصی مٹنگ اور عمومی اجلاس میں بھی ان حضرات نے شرکت کی۔

(۶) دار القضاء شولاپور مہاراشٹر

شولاپور سے قیام دار القضاء کی درخواست صدر بورڈ دامت برکاتہم کی خدمت میں آئی، مولانا تبریز عالم صاحب کو جائزہ کے لئے بھیجا گیا، انہوں نے جائزہ لے کر مثبت رپورٹ دی، قیام دار القضاء کے پروگرام کے لئے ۳۰/مئی ۲۰۱۴ء کی تاریخ مقرر کر دی گئی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ اجلاس عاملہ جلگاؤں سے پہلے وہاں دار القضاء کا قیام عمل میں آ جائے گا۔

بورڈ کے دار القضاؤں کا جائزہ اور ہدایات

مولانا تبریز عالم صاحب کا تقرر آرگنائزر کی حیثیت سے ۷/دسمبر ۲۰۱۳ء میں ہوا اب تک ان سے بنیادی طور پر دو کام لیے گئے (۱) مختلف دار القضاؤں کا جائزہ (۲) جن مقامات سے قیام دار القضاء کی یا الحاق کی درخواست آئی تھی ان کا جائزہ لے کر دار القضاء کمیٹی کو رپورٹ دینا۔

موصوف نے درج ذیل دار القضاء کا جائزہ لے کر تحریری رپورٹ دی۔

(۱) دار القضاء ناگپاڑہ ممبئی (۲) دار القضاء تھانہ ممبئی، (۳) دار القضاء ممبرا ممبئی، (۴) دار القضاء نیرول نیوی ممبئی، (۵) دار القضاء گوونڈی ممبئی، (۶) دار القضاء اکولہ مہاراشٹر، (۷) دار القضاء بیت العلوم پونہ مہاراشٹر، (۸) دار القضاء تدبیر فاؤنڈیشن پونہ مہاراشٹر، (۹) دار القضاء اسپان ٹرسٹ پونہ مہاراشٹر، (۱۰) دار القضاء کوکن شریوردھن مہاراشٹر، (۱۱) دار القضاء پوسد مہاراشٹر، (۱۲) دار القضاء پنویل مہاراشٹر، (۱۳) دار القضاء ناگپور مہاراشٹر، (۱۴) دار القضاء ہنگولی مہاراشٹر، (۱۵) دار القضاء کولہاپور مہاراشٹر، (۱۶) دار القضاء لاتور مہاراشٹر، (۱۷) دار القضاء امراوتی مہاراشٹر، (۱۸) دار القضاء علیگڑھ یوپی۔

مولانا تبریز عالم صاحب کی جائزہ رپورٹوں کی روشنی میں مختلف دارالقضاؤں کے قاضیوں اور منتظمہ کمیٹیوں کو تحریری ہدایات جاری کی گئیں جن میں کچھ خامیوں کی نشاندہی کی گئی اور کام کو بہتر بنانے کے لئے کچھ اہم اور مفید مشورے دیے گئے، جن کو تحریری ہدایات جاری کی گئیں وہ یہ ہیں۔

(۱) قاضی دارالقضاء ہنگولی، (۲) منتظمہ کمیٹی دارالقضاء پوسد، (۳) قاضی دارالقضاء ناگپور، (۴) قاضی دارالقضاء امراوتی، (۵) قاضی دارالقضاء بیت العلوم پونہ، (۶) قاضی دارالقضاء تدبیر فاؤنڈیشن پونہ، (۷) قاضی دارالقضاء اسپان ٹرسٹ پونہ، (۸) منتظمہ کمیٹی دارالقضاء اسپان ٹرسٹ پونہ، (۹) قاضی دارالقضاء ناگپاڑہ ممبئی، (۱۰) قاضی دارالقضاء پنویل، (۱۱) قاضی دارالقضاء شریوردھن، (۱۲) قاضی دارالقضاء کولہاپور، (۱۳) منتظمہ کمیٹی دارالقضاء کولہاپور، (۱۴) قاضی دارالقضاء علیگڑھ، (۱۵) قاضی دارالقضاء گونڈی۔

مولانا تبریز عالم صاحب نے درج ذیل مقامات کا بھی جائزہ لیا جہاں سے قیامِ دارالقضاء کے لئے یا الحاق کے لئے درخواستیں آئی تھیں، یا وہاں دارالقضاء قائم کرنے کے امکانات و مواقع کی اطلاع ملی تھی (۱) لاتور، (۲) شولاپور، (۳) عثمان آباد، (۴) داپولی، (۵) رتنا گیری، (۶) چپلون، (۷) وجے درگ، (۸) کڈال، (۹) مڈگاؤں گوا، ان میں سے لاتور میں دارالقضاء قائم ہو چکا ہے جبکہ شولاپور میں ۳۰ رمئی ۲۰۱۴ء کو قیام دارالقضاء کی تاریخ مقرر کی گئی ہے، بقیہ مقامات پر جائزہ رپورٹ کی روشنی میں کچھ ضروری ہدایات جاری کی گئی ہیں۔

مولانا تبریز عالم صاحب نے مہاراشٹر کے مختلف مقامات کے جائزہ وغیرہ کے لئے جو اسفار وغیرہ کئے ان میں بہت سے اسفار میں مفتی اشفاق صاحب قاضی اکولہ نے رہبری اور معاونت کی، اللہ تعالیٰ مفتی اشفاق صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے وہ مہاراشٹر کے اضلاع اور شہروں میں قیام دارالقضاء کے لئے فکرمند اور متحرک رہتے ہیں۔

دارالقضاء کے فیصلوں کے خلاف اپیل

پچھلے ایک سال کی مدت میں صدر بورڈ کی خدمت میں دارالقضاء کے پانچ فیصلوں کے خلاف اپیلیں آئیں، جنہیں منظور کیا گیا اور صدر بورڈ دامت برکاتہم نے دارالقضاء کمیٹی کے مشورے سے ان کی سماعت اور فیصلے کے لئے امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے بعض سینیر قضاۃ کو مقرر فرمایا، ایک اپیل کی سماعت دہلی میں ہوئی، ایک کی حیدرآباد میں اور تین کی ممبئی میں۔

بورڈ کی نگرانی میں چلنے والے دارالقضاؤں میں اپیل کا نظام موجود ہے، قیام دارالقضاء کے جلسوں میں اس کا باقاعدہ اعلان و اظہار کر دیا جاتا ہے اور دارالقضاؤں کو بھی ہدایت ہے کہ وہ دارالقضاء سے رجوع کرنے والوں کو اپیل کے نظام کی اطلاع کرتے رہیں۔

دارالقضاء کمیٹی کی میٹنگ

مورخہ ۲۴ر مارچ ۲۰۱۴ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں دارالقضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مٹنگ ہوئی جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت فرمائی (۱) حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی (رکن کمیٹی) (۲) حضرت مولانا عبیداللہ الاسعدی صاحب (رکن کمیٹی) (۳) عتیق احمد صاحب بستوی (کنوینر کمیٹی) (۴) حضرت مولانا قاضی عبدالجلیل صاحب (مدعو خصوصی) (۵) جناب مولانا انظار عالم صاحب قاسمی (مدعو خصوصی) (۶) جناب مولانا تبریز عالم صاحب (آرگنائزر دارالقضاء کمیٹی)۔

اس مٹنگ میں دارالقضاء سے متعلق ضابطۂ عمل، ہدایات برائے قاضی، ہدایات برائے منتظمہ کمیٹی کے مسودے کی خواندگی ہوئی، اور اسے آخری شکل دی گئی، آرگنائزر صاحب کی رپورٹوں کی روشنی میں کمیٹی نے بعض اہم فیصلے لئے اور درج ذیل امور بھی طے پائے۔

(۱) عدالتوں میں دائر مقدمات کے سلسلہ میں نیز دارالقضاء میں کارروائی کے دوران کسی فریق کے عدالت سے رجوع ہونے کی صورت میں دارالقضاء کا کیا طریقۂ کار ہونا چاہئے اس پر گفتگو ہوئی، اسی طرح دارالقضاء کی کارروائی کو موجودہ عدالتی کارروائی سے قریب لانے پر بھی گفتگو ہوئی، اس بارے میں یہ طے پایا کہ دونوں معاملات پر گہرائی سے غور کرنے اور فیصلہ لینے کے لئے امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ میں حضرت امیر شریعت و جنرل سکریٹری بورڈ دامت برکاتہم کی طرف سے ایک ایسی نشست بلائی جائے جس میں محدود تعداد میں وکلاء اور تجربہ کار قضاۃ کو جمع کیا جائے، یہ مٹنگ بروز اتوار رکھی جائے تاکہ وکلاء کو شرکت میں سہولت ہو، (بقیہ صفحہ ۱۶ر پر)

اصلاح معاشرہ کمیٹی

(سرگرمیاں رپورٹ)

مرتبہ: تہنیت اطہر (رکن بورڈ)

تحریک اصلاح معاشرہ کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے دسمبر ۲۰۱۳ء سے اپریل ۲۰۱۴ء ملکی ومقامی سطح پر خواتین وطالبات کیلئے منظّم کی گئی سرگرمیوں کی مختصر رپورٹ پیش خدمت ہے۔

اترپردیش

۱۔ **لکھنؤ:** ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۳ء کو محترمہ ڈاکٹر صفیہ نسیم صاحبہ رکن عاملہ بورڈ کی زیرصدارت مدرسہ نجیحہ خاتون میں سید احمد شہید تعلیمی وفلاحی سوسائٹی کے زیر اہتمام اجلاس بعنوان ''اصلاح معاشرہ میں تعلیم کا کردار'' منعقد ہوا۔ محترمہ ڈاکٹر صفیہ نسیم صاحبہ نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ تعلیم انسان کے اندر شعور و آگہی کے دروا کرتی ہے۔ تعلیم کے حصول کا مقصد ہی یہ ہونا چاہئے کہ وہ بہترین اخلاق وکردار کا حامل بنے اور قوم وملت کیلئے اسکی تعلیم کارآمد ثابت ہو۔ انھوں کہا کہ ایسی تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں جو انسان کو انسان نہ بنائیں، نہ انسانیت کا درد، نہ حقوق کی ادائیگی کی پابندی اور نہ ہی بڑوں کا پاس ولحاظ پیدا کرے۔

۲۔ ۱۲ر جنوری ۲۰۱۴ء لکھنؤ میں محترمہ ڈاکٹر صفیہ نسیم صاحبہ رکن عاملہ بورڈ کی زیرصدارت القرآن انسٹی ٹیوٹ کے زیراہتمام ایک خصوصی اجلاس بعنوان ''تفہیم قرآن کی ضرورت اور قرآن سے دوری کے مضر اثرات'' منعقد ہوا۔ اس خصوصی اجلاس کو محترمہ ڈاکٹر صفیہ نسیم صاحبہ نے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان مائیں اور بہنیں قرآن کریم کو جو تجوید اور لفظ بہ لفظ ترجمہ سے سیکھ رہی ہیں وہ اسکی ایک ایک آیت کو بہتر انداز میں سمجھیں، اس پر غور وفکر کریں اور اپنی زندگی میں ان آیتوں کو رائج کریں۔ انھوں نے کہا کہ یہ وقت کا اہم تقاضا ہے کہ مسلمان مائیں اور بہنیں قرآن کریم سے وابستہ ہوجائیں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوجائیں۔

سنبھل

یکم مارچ ۲۰۱۴ء کو محترمہ بشریٰ فاطمہ صاحبہ، صدر معلّمہ جامعۃ الصالحات للبنات، سنبھل کی زیرنگرانی سنبھل میں جامعہ جماعت المحمودیہ نسواں کے زیراہتمام ایک خصوصی اجلاس بعنوان ''اصلاح معاشرہ'' منعقد ہوا۔ ۱۰ ہزار سے زائد طالبات وخواتین اس اجلاس میں شریک تھیں۔

علی گڑھ

۸ر مارچ ۲۰۱۴ء کو عالمی یوم خواتین کے موقع پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء کی جانب سے ایک خصوصی اسٹوڈنٹس کانفرنس کنیڈی آڈیٹوریم، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے مقررین میں برادر یحییٰ نعمانی، لکھنؤ، بعنوان ''Redefining the Social Status of Women'' جناب جاوید جمیل بعنوان Violence Against women:Reasons & Remedies، اور ڈاکٹر اسماء زہرہ رکن عاملہ بورڈ، حیدرآباد نے بعنوان ''Empowerment of Muslim Women Road map'' مخاطب کیا۔ اس کانفرنس میں محترمہ ممدوحہ ماجد صاحبہ بھی شریک تھیں۔

ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ رکن مجلس عاملہ بورڈ نے اپنے خطاب میں قرآن کریم کی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ اگر مرد کوئی نیکی کرے تو اس کا بدلہ اسی کو ملے گا، اسی طرح اگر کوئی عورت نیکی کرے تو اس کا ثواب اور اجر اسی کو ملے گا۔ نیکی، جزاء، سزا اسلام نے مرد وخواتین کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کیا ہے، ذمہ داریوں کی تقسیم میں دونوں کے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار ہیں۔

انہوں نے کہا کہ اسلام نے عورت کو باعزت، باوقار اور انتہائی معتبر مقام عطا کیا ہے، مسلم خواتین کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے سماج میں اونچا درجہ دیا گیا ہے، ہر رشتے کی عزت اور مرتبہ اہم ہے۔

انہوں نے Empowerment کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ سماج کے پچھڑے ہوئے طبقہ کو برابر تعلیمی، معاشی، سماجی اور سیاسی سہولتیں،

حقوق و اختیارات فراہم کرکے اونچا اٹھانا اور برابر کا مقام دینا دراصل Empowerment کہلاتا ہے۔ Empowerment کے معنی Power قوت کے نہیں، بلکہ Empowerment کے معنی ومفہوم کو سمجھنے میں اکثر خواتین غلطی کرتی ہیں اور مثبت سوچ کے بجائے منفی سوچ کو اپنا لیتی ہیں، جس کی وجہ سے گھر اور خاندان انتشار اور بربادی کا شکار ہورہے ہیں۔

Empowerment کے اسلامی نقطہ نظر کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ Empowerment کے معنی ہے خواتین کو باشعور بنانا، انکی تعلیم وتربیت پر توجہ دینا، انہیں ہنرمند بنانا، انکی قابلیت وصلاحیت میں اضافہ کرنا، انہیں دانشمند بنانے کی کوشش کرنا اور مثبت انداز میں انکی تعمیر وترقی کیلئے کوشش کرنا، اس اعتبار سے تعلیم یافتہ، معاشی طور پر مضبوط اور سماجی اور سیاسی شعور رکھنے والی خاتون کو Empowerment خاتون کہتے ہیں۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات، امہات المومنین وصحابیات کی زندگی میں اور تاریخ اسلام میں ایسی کئی خواتین کا ذکر آتا ہے جنہوں نے علمی، سیاسی، سماجی، معاشی اور خدمت خلق کے شعبوں میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ ان خواتین میں ایمان کی قوت تھی، انہیں اسلام سے محبت تھی، انکی شخصیت شرم وحیا کی پیکر تھی، انہیں اولاد کی تربیت کی فکر تھی اور انہوں نے نسلوں کی تعمیر وترقی کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ دنیا وآخرت کی فوز وفلاح کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتی تھیں، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت سمیہؓ، حضرت ام عمارہؓ اور ان جیسی کئی قابل ونامور خواتین شامل تھیں، جنکی شخصیتیں رہتی دنیا تک سب کیلئے مشعل راہ ہیں اور صحیح معنوں میں اسٹار ولیڈر اور رول ماڈل ملت کی بیٹیوں اور بہنوں کیلئے یہی خواتین ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ حفصہ بنت سیرینؒ نے ۱۲ رسال کی عمر میں قرآن کریم کو حفظ کرلیا تھا، فاطمہ نیسہ پوریؒ قرآن کریم کی تفسیر میں مشہور تھیں، ابومحمد ہران کی نابینا بیٹی جن کا حافظہ اتنا بہترین تھا کہ صحاح ستہ کی تمام حدیثیں پوری طرح انہیں یاد تھیں۔

ہمارے ملک ہندوستان میں شاہجہاں کی پوتی پرنس شاد خانم قرآن کی کتابت کیلئے شہرت رکھتی تھیں، اسی طرح شعر وادب میں، کتابت میں کئی مشہور خواتین گذری ہیں، کئی مسلم خواتین ایسی بھی گذری ہیں جو مساجد، مدارس کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں، ہمارے سلاطین میں ہمایوں کی بیٹی، اکبر کی پھوپھی نے کئی جلدوں میں ہمایوں نامہ لکھا، پرنس زبیدہ کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا دو نہریں انہوں نے تعمیر کی جس پر اس زمانہ میں ۱۷۰۰ رہزار دینار کا تخمینہ آیا۔ حاجیوں کیلئے ان نہروں کی وجہ سے ہی پانی کی سہولت مہیا ہوئی، آج بھی اسکے باقیات ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ دور حاضر میں Empowerment کے غلط معنی اور مفہوم لئے جارہے ہیں، خوبصورتی کا اظہار، بے حجابی، بے پردگی، عریانیت، ذمہ داریوں سے فرار اور اخلاقی بے راہ روی کو ہماری ملت کی خواتین اور نوجوان لڑکیاں Empowerment سمجھ رہی ہیں، جس کے نتیجہ میں نہ صرف گھر اور خاندان تباہی کا شکار ہورہے ہیں بلکہ خود ان خواتین کی عزت وناموس داؤ پر لگی ہوئی ہے، خواتین کا تحفظ پورے ملک کیلئے آج ایک بہت بڑا چیالنج بنا ہوا ہے۔

انہوں نے الزام لگایا کہ عالمی سطح پر باطل قوتیں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ اسلام میں خواتین کو کسی قسم کے حقوق اور Rights نہیں دیئے جاتے اور انہیں مذہب کی بنیاد پر تعلیم وترقی سے روکا جاتا ہے، یہ غلط اور جھوٹ ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے عورتوں کے حقوق اور تحفظ وعزت ووقار کو بلند کرکے انہیں ایک پاکیزہ زندگی سے ہمکنار کیا ہے، مسلم عورت کو وراثت میں تقریباً آٹھ رشتوں سے جائیداد کے حصے ملتے ہیں اسلام نے زندگی کے کسی معاملے میں عورت کو ہرگز محروم نہیں رکھا۔

ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ نے نبی کریم ﷺ کے دور کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس دور میں زراعت وآبپاشی اور صنعت وحرفت اور بزنس وتجارت میں خواتین پیش پیش رہا کرتی تھیں، انہوں نے اس بات پر زور دیا مسلم خواتین کو اسکولس، کالجس اور یونیورسٹی میں دوبارہ شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ اپنی ذہنی وفکری قابلیت وصلاحیت کو پروان چڑھا کر امت مسلمہ کی تعمیر وترقی میں اپنے کردار کے جوہر دکھائیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی بنیادی اصولوں کی حفاظت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ترویج کے ساتھ ماڈرن ایجوکیشن میں بھی اعلی مقام حاصل کریں صرف عورت کا کمانا مقصد نہ ہو بلکہ سماج کی جامع تعمیر وترقی عین مقصود ہو۔

حیدرآباد

۱۵ رجنوری ۲۰۱۴ء متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی (برائے خواتین) کی نگرانی وآل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی اصلاح معاشرہ کمیٹی کی جانب سے

خواتین و طالبات کیلئے ایک اہم سمینار بعنوان ''**مسلم معاشرہ میں جرائم کا بڑھتا رجحان اور اصلاح معاشرہ کی ضرورت**'' خواجہ مینشن فنکشن ہال، مانصاحب ٹینک، حیدرآباد منعقد ہوا۔ جس کی صدارت پروفیسر جمیل النساء صاحبہ رکن بورڈ نے کی اور کنوینر کے فرائض پروفیسر رفیق النساء صاحبہ رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی نے انجام دیئے۔

اس سمینار میں محترمہ رقیہ فرزانہ صاحبہ رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی نے درس قرآن پیش کیا۔ محترمہ طلحہ جبین صاحبہ رکن متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی نے ''**انٹرنیٹ اور ٹی وی کے مضر اثرات**''، ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ رکن عاملہ بورڈ نے بعنوان ''**مسلم معاشرہ میں جرائم کا بڑھتا رجحان اور اصلاح معاشرہ کی ضرورت**''، محترمہ حلیمہ سعدیہ جرنلسٹ مسلم گرلز اسوسی ایشن نے بعنوان ''**عورت کے خلاف جرائم، وجوہات اور علاج**'' پر پاور پائنٹ پریزنٹیشن دیتے ہوئے رپورٹ پیش کی۔ محترمہ تہنیت اطہر صاحبہ رکن بورڈ نے بعنوان ''**اصلاح معاشرہ اور طالبات کی ذمہ داریاں**''، پروفیسر جمیل النساء صاحبہ رکن بورڈ نے بعنوان ''**نئی نسل کی تربیت میں ماں کا رول**'' پر مخاطب کیا۔ پروفیسر رفیق النساء صاحبہ کنوینر سمینار نے سامعات کا شکریہ ادا کیا اور دعاء پر اس سمینار کا اختتام عمل میں آیا۔ ایک ہزار سے زائد خواتین وطالبات اس سمینار میں شریک تھیں۔

طالبات کو ویلنٹائن ڈے سے دور رکھنے کیلئے اصلاحی مہم!

مسلم گرلز اسوسی ایشن کی نگرانی اور اصلاح معاشرہ کی جانب سے حیدرآباد میں ویلنٹائن ڈے کے خلاف پندرہ یومی اصلاحی ودعوتی مہم یکم فروری تا ۱۴/فروری چلائی گئی۔ محترمہ تہنیت اطہر صاحبہ رکن بورڈ کی زیر نگرانی اصلاحی و دعوتی ٹیموں نے ویلنٹائن ڈے کے خلاف مہم کے تحت کالجس، اسکولس، پارکس اور تفریحی مقامات پر کامیاب اصلاحی کوشش کی۔ MGA کی جانب سے ۱۵/ سے زیادہ ٹیموں نے ۵۵/اسکولس، ۳۵/کالجس، ۱۸/پارکس، ۸/ہوٹلوں اور ۱۵/کیفے ٹیریاز پہنچ کر برقعہ پوش طالبات اور خواتین سے ملاقات کی اور انھیں اس بے حیائی، فحش اور گناہ کے کاموں سے بچنے اور دور رہنے کی ترغیب دی۔ کئی لڑکیاں کم علمی، نادانی اور دھوکہ کی بنیاد پر پارکس میں پائی گئیں جب انھیں اللہ کی ناراضگی اور اس گناہ وحرام کام کے متعلق سمجھایا گیا تو اشکبار آنکھوں کے ساتھ واپس ہوگئیں۔ پارکس میں ایسے شادی شدہ مرد وخواتین بھی پائے گئے جو نامحرم کے ساتھ ویلنٹائن Celebrate کرنے کیلئے آئے تھے۔ انھیں انکے مقام ومرتبے اور وقار کو پہچاننے اور اسے برقرار رکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی اور انھیں افہام و تفہیم کے ذریعہ اس گناہ سے تائب ہونے کیلئے انفرادی واجتماعی کونسلنگ کی گئی۔ مہم کے دوران اس بات کو شدت سے محسوس کیا گیا کہ نوجوان نسل میں حلال وحرام رشتوں کے متعلق شعور بیدار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ دعوت واصلاح کے ذریعہ ان میں خوشگوار تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ نوجوان نسل میں قرآن واحادیث کی تعلیمات اگر مضبوط کی جائیں تو مغرب کی مضر تہذیبی اثرات سے انھیں باز رکھا جاسکتا ہے۔

اس مہم کے دوران ایم جی اے کی جانب سے کالجس واسکولس اور دیگر تمام لڑکیوں میں ویلنٹائن ڈے کے نام پر شیطانی بداخلاقی اور بے حیائی کے کاموں سے دور رہنے اور ملت اسلامیہ کی عزت وناموس کو برقرار رکھنے کیلئے ورقیہ، ہینڈ بلز اور اصلاحی لٹریچر تقسیم کئے گئے۔

نئی دہلی

اصلاح معاشرہ کمیٹی نئی دہلی کے زیر اہتمام خواتین وطالبات کیلئے ایک خصوصی پروگرام بعنوان ''اصلاح معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں'' ۲۴/مارچ ۲۰۱۴ء فیض ہال، ہمدرد دواخانہ، لال کنواں دہلی میں ۲/بجے دن تا شام ۵/بجے منعقد ہوا۔

اس پروگرام میں معلّمہ زینب صاحبہ بعنوان ''اسلام میں وراثت کی اہمیت''، محترمہ ممدوحہ ماجد صاحبہ رکن بورڈ بعنوان ''اولاد کی تربیت''، محترمہ عائشہ صاحبہ بعنوان ''پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے حقوق''، محترمہ ثروت صاحبہ بعنوان ''نکاح وطلاق''، محترمہ زینت مہتاب صاحبہ رکن اصلاح معاشرہ کمیٹی، نئی دہلی نے بعنوان ''شریعت پر عمل'' مخاطب کیا۔ اس پروگرام میں ۶۰۰/ سے زائد خواتین وطالبات شریک تھیں۔

حیدرآباد

۳۱/مارچ ۲۰۱۴ء کو ورنگل میں ایک خصوصی اجلاس بعنوان ''اصلاح معاشرہ'' دن کے ۱۲/بجے تا سہ پہر ۳/بجے تک منعقد ہوا۔ ڈاکٹر اسماء زہرہ رکن عاملہ بورڈ اور محترمہ روحی خان صاحبہ رکن متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی نے مخاطب کیا۔ دانشور خواتین اور طالبات کی کثیر تعداد شریک تھیں۔

● **کولکاتا میں اصلاح معاشرہ (برائے خواتین) تربیتی کیمپ کی رپورٹ**

مرتب: محمد قمرالدین

مغربی بنگال کی راجدھانی کولکاتہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی مرکزی

کمیٹی اصلاح معاشرہ برائے خواتین کا ایک تربیتی کیمپ ۱۸/اپریل ۲۰۱۴ء کو منعقد کیا گیا، جس میں دوسو سے زیادہ خواتین نے شرکت کی۔ محترمہ نور جہاں شکیل صاحبہ (کولکاتا) نے اس تربیتی کیمپ کا افتتاح کیا۔ اس موقعہ پر ڈاکٹر اسماء زہرا صاحبہ رکن عاملہ بورڈ (حیدرآباد) مہمان خصوصی تھیں، اور اس تربیتی کیمپ کی صدارت جنابہ ممدوحہ ماجد صاحبہ رکن بورڈ (دہلی) نے کیا، خواتین کے اس اصلاحی تربیتی کیمپ میں سادگی، نشہ خوری، تواضع، شادی کے موقعہ پر لین دین، عام زندگی میں بے جا خرچ، پوتے کی وراثت، عورتوں کے خاندانی حقوق، عورتوں کے سماجی زندگی میں حقوق وفرائض جیسے اہم موضوعات پر متعدد خواتین نے خطاب کیا۔

محترمہ نور جہاں شکیل صاحبہ نے اپنے افتتاحی خطاب میں عورتوں کے حقوق وفرائض پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہم خواتین کا سماج کی اصلاح میں اہم رول ہے، اگر ہم اپنی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیں، تو معاشرہ میں بڑی تیزی کے ساتھ اصلاح ہوسکتی ہے۔ ہماری گود وہ پہلا مدرسہ ہے، جہاں سے بننے، بگڑنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، ہم اگر چاہیں تو اپنے اچھے اخلاق سے شوہر کو بھی راہ راست پر لاسکتے ہیں، اچھی تربیت کرکے بیٹے بیٹیوں کو بھی دین وشریعت کا پابند بناسکتے ہیں، ضرورت پختہ عزم کی ہے، اور صالح جذبہ سے اقدام کی۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر اسماء زہرا صاحبہ رکن مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کہا کہ شادی بیاہ کے موقعہ پر لین دین کی کثرت نے مسلم سماج میں شادی کو مسئلہ بنادیا ہے، جب کہ اللہ کے رسول نے اسے آسان بناکر پیش کیا تھا، مطالبہ کے بڑھتے رجحان کے لیے ہم خواتین بھی مردوں کی طرح برابر کی ذمہ دار ہیں، ہمارا رویہ اپنے بیٹوں کی شادی کے وقت ظالمانہ ہوتا ہے، اگر ہم چاہیں، تو اپنے شوہروں اور بیٹوں کو بغیر لین دین کے شادی کرنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ اپنے صدارتی خطاب میں جنابہ ممدوحہ ماجد صاحبہ نے کہا کہ نشہ خوری، عام زندگی میں بے جا خرچ ہماری زندگی کا آج حصہ بن گیا ہے، اور ہم عورتیں اس میں مردوں سے کم نہیں ہیں، بے جا خرچ میں تو ہم حد سے بڑھے ہوئے ہیں، نشہ خوری کے بڑھتے رجحان پر بھی ہم اپنے اچھے اخلاق اور حسن سیرت سے قابو پاسکتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پچھلے کچھ دنوں سے خواتین کی حفاظت کا مسئلہ حکومت اور باخبر حلقوں میں توجہ کا موضوع بناہوا ہے، قانون سازی بھی ہوئی ہے، اور عدالتیں سخت رویہ بھی اپنائے ہوئے ہیں، لیکن معاملہ قابو میں نہیں آرہا ہے، اس ملک میں مغرب کی نقالی میں جو سماج تیار ہورہا ہے، اسے ان سارے مرحلوں سے گذرنا ہوگا، جن سے مغربی سماج گذر چکا ہے، اس لیے عورتوں کی حفاظت کا مسئلہ سنگین ہونے کے باوجود حیرت انگیز نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کی حفاظت اور عزت کا معاملہ اسلامی قانون میں واضح طریقہ پر حل کیا گیا ہے، اور اس کی حیثیت مثالی قانون کی ہے، جس نے عورتوں پر ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں، حقوق بھی دیئے ہیں، اور پرہیز بھی بتایا ہے، ان خواتین کے علاوہ اور بھی کئی خواتین نے اجلاس سے خطاب کیا، اس موقعہ پر تمام خواتین نے اپنی زندگی سادگی کے ساتھ شریعت کے مطابق گذارنے کا عہد کیا، اور کہا کہ مسلم پرسنل لا پر عمل ہماری پسند ہے، کوئی مجبوری نہیں اور خواتین کی حفاظت اور عزت کے لیے اسلامی قانون سب سے بہتر ہے۔ اجلاس کی روح رواں اور سرگرم رکن بورڈ محترمہ عظمیٰ عالم صاحبہ نے پروگرام کی نظامت کی اور کامیابی کے ساتھ اس اجلاس کو چلایا۔

اس اجلاس میں ایک سیشن سوال وجواب کا بھی رکھا گیا تھا جسمیں خاص طریقہ پر ان امور پر سوالات کئے گئے۔ دارالقضاء کی موجودگی اور انکا نظم، کولکاتا میں خواتین میں اصلاحی کام کی نوعیت اور اسکا پھیلاؤ۔ فضول خرچی کو روکنے کی تدبیر۔ خطبہ جمعہ کا استحکام جیسے موضوعات تھے۔ سوالات کے جوابات رکن عاملہ بورڈ محترمہ ڈاکٹر اسماء زہرا صاحبہ، رکن بورڈ محترمہ ممدوحہ ماجد صاحبہ (دہلی) سکریٹری وکنوینر مرکزی اصلاح معاشرہ کمیٹی بورڈ حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی نے دیئے، اس تربیتی کیمپ میں کولکاتا اور اسکے اطراف کی خواتین شریک تھیں اور کولکاتا کے مختلف حصوں اور علاقوں کی ذمہ دار، تعلیم یافتہ اور سماجی تعلیمی خدمت گار خواتین نے پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا۔ نماز اور چائے کے وقفہ کے علاوہ پانچ گھنٹہ تربیتی کیمپ چلا۔ کنوینر تربیتی کیمپ محترمہ عظمیٰ عالم صاحبہ رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (کولکاتا) نے آخر میں تمام خواتین کا شکریہ ادا کیا اور کولکاتا میں اصلاح معاشرہ پروگرام کی توسیع پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور چھ ماہ کیلئے طریقہ کار وضع کیے گئے۔

کیمپ کے موقعہ پر اصلاح معاشرہ کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ خانقاہ رحمانی مونگیر کی طرف سے شائع کردہ گیارہ قسم کے اصلاحی اسٹیکرس اور تین کتابیں (۱) لڑکیوں کا قتل عام (۲) عقیقہ کی سنت ادکیجئے (۳) پینا حرام ہے۔ بھی خواتین شرکائے تربیتی کیمپ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔

● **اصلاح معاشرہ بوڑیہ ہریانہ کی رپورٹ**   مرتب: ناصر ایوب ندوی

گذشتہ چند مہینوں کے دوران بورڈ کے ایک اہم معزز رکن جناب پیرجی حافظ حسین احمد صاحب کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کے پروگراموں کو ہریانہ اور اس کے اطراف میں جو کوششیں کی گئیں اس کا ایک مختصر جائزہ ذیل کی سطروں میں پیش کیا جا رہا ہے:

۱رفروری ۲۰۱۴ء کو گاؤں ناگل پٹی میں ایک اجلاس اصلاح معاشرہ کے موضوع پر ہوا جس میں آپ نے پرمغز خطاب فرمایا۔

۱رمارچ ۲۰۱۴ء کو بہبے پور، ضلع یمنا نگر، ہریانہ میں اصلاح معاشرہ پر ایک مجلس منعقد ہوئی جسمیں آپ نے ''نام ونمود اور ریا کاری کی قباحت'' پر خطاب فرمایا۔

۲رمارچ ۲۰۱۴ء کو موضع نانولی، ضلع سہارنپور میں ایک اصلاح معاشرہ کا جلسہ منعقد ہوا جسمیں آپ نے جھوٹ، غیبت، چغل خوری جیسے گناہوں کی مذمت بیان فرماتے ہوئے سچ اور آپسی ہمدردی، اخوت ومحبت کے فوائد بیان فرمائے۔

۱۱رمارچ ۲۰۱۴ء کو مدرسہ ستاریہ گندیوڑہ بعد نماز عشاء جاٹو ولا متصل مرزاپور۔ دونوں مقامات پر ''اصلاح معاشرہ'' پر خطابات فرمائے۔

۲۴رمارچ ۲۰۱۴ء کو (۱) مسجد پٹھانان مدرسہ خضرآباد، یمنانگر (۲) مدرسہ، موضع چاٹکہ سہارنپور (۳) گٹی ملک پور سہارن پور میں حسب پروگرام آپ نے شرکت فرمائی اور ''اصلاح معاشرہ'' پر خطاب فرمایا۔

۲۵رمارچ ۲۰۱۴ء کو مدرسہ مظہر العلوم فرقانیہ سلطان پور، ضلع ہریدوار کے اجلاس میں شرکت فرمائی اور دین پر چلنے کی فضیلت بیان فرمائی۔

۲۶رمارچ ۲۰۱۴ء کو موضع کوٹڑہ وملک پور کھادر میں اصلاحی مجالس منعقد ہوئیں جن میں آپ نے ''اصلاح معاشرہ'' پر خطاب فرمایا۔

۲راپریل ۲۰۱۴ء کو ملاجی ظفر الدین صاحب بہبے پور کے یہاں ایک اصلاحی مجلس منعقد ہوئی جس میں ان کی بچیوں کا نکاح مسنونہ پڑھایا اور اپنے خطاب میں ''کفایت شعاری'' پر خطاب فرمایا۔ قبل ازیں مسجد شاہ اسماعیل بوڑیہ میں اپنے ایک عزیز کے بیٹے قاری نذیر احمد کریمی کا نکاح پڑھایا اور اصلاح معاشرہ پر حکیمانہ انداز میں خطاب کرتے نقد مہر کی ادائیگی کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ دلہن کو جو زیور دئے جاتے ہیں فریقین طے کرلیں کہ اتنی قیمت کا فلاں زیور فلاں چیز مہر میں ادا کر رہے ہیں اور فلاں زیور ہدیہ ہیں یا عارضی طور پر استعمال کیلئے دئے گئے ہیں۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ شریعت اسلامیہ بہت آسان ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' الدین یسر'' کہ دین آسان ہے اور یہ بات عمل سے معلوم ہوگی۔ میرے بھائیو! دین پر چل کر دیکھئے جس طرح دور سے راستہ تنگ نظر آتا ہے مگر جب اس راستہ پر چلتے ہیں تو اس کی کشادگی کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے تمام کام شریعت اسلامیہ کے مطابق انجام دیکر اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔

۵راپریل ۲۰۱۴ء کو موضع گندیوڑہ، بہٹ، ضلع سہارنپور اور موضع کٹی پور، ضلع یمنانگر، ہریانہ دونوں مقامات پر اصلاح معاشرہ کی مجلسیں منعقد ہوئیں جن میں آپ نے نکاح بھی پڑھائے نیز ''اصلاح معاشرہ'' کے موضوع پر خطاب بھی فرمایا۔

۷راپریل ۲۰۱۴ء کو ناگل کے دینی ادارہ متصل دیوبند کے اجلاس میں شرکت فرمائی اور اصلاح معاشرہ پر خطاب فرمایا۔

۱۱راپریل ۲۰۱۴ء کو بعد نماز عشاء پروگرام ''اصلاح معاشرہ'' بڈھا کھیڑہ، جس میں ادارہ کے استاذ مفتی محمد اخلاق حسین قاسمی صاحب نے شرکت کی اور ''اصلاح معاشرہ'' پر خطاب کیا۔

۱۳راپریل ۲۰۱۴ء کو مدرسہ دارالعلوم امدادیہ موضع لیلون ضلع شاملی کے دینی پروگرام میں شرکت فرمائی اور سماج ومعاشرہ میں پھیلی برائیوں کے تدارک کے لئے خطاب فرمایا۔

۱۴راپریل ۲۰۱۴ء کو مدرسہ فیضان قادریہ موضع جوبات پوسٹ بڑھی گھوگھو ضلع سہارن پور کے اجلاس میں شرکت فرمائی اور موجودہ حالات میں دین پر عمل کرنے کی اہمیت پر قرآن وحدیث کی روشنی میں خطاب فرمایا۔

۱۵راپریل ۲۰۱۴ء کو موضع ہلدری، ضلع یمنانگر، ہریانہ میں ایک اصلاحی مجلس منعقد ہوئی جس میں آپ نے ایک نکاح پڑھایا اور خطبہ نکاح کے ساتھ اپنے خطاب میں جوا، سٹہ اور اس طرح کے گناہوں کے نقصانات ارشاد فرمائے۔

جناب محمد ایوب صاحب قریشی اور اصلاح معاشرہ تحریک کے سرگرم رکن جناب حافظ شاہ عبدالرب صاحب کی دعوت پر مسجد قریشیان خضرآباد ضلع یمنانگر میں منعقد تقریب اصلاح معاشرہ میں شرکت فرمائی اور ایک نکاح پڑھایا اور اصلاح معاشرہ پر خطاب بھی فرمایا۔

۞۞۞

مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں

(مختصر رپورٹ)

مرتب: وقارالدین لطیفی

حالیہ مہینوں میں مرکزی دفتر بورڈ کی دفتر سے انجام پانے والی سرگرمیوں کا ایک مختصر خاکہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

● ۲۸؍جنوری ۲۰۱۴ء کو بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے انسداد فرقہ وارانہ تشدد بل کو منظور کئے جانے کے سلسلہ میں حسب ذیل صحافتی بیان جاری فرمایا:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے وزیر اعظم شری من موہن سنگھ اور صدر نشین یو۔پی۔اے مسز سونیا گاندھی سے کہا ہے کہ پارلیمنٹ کے آئندہ اجلاس میں فرقہ وارانہ تشدد کے انسداد کا بل پیش کر کے منظور کروایا جائے جناب محمد عبدالرحیم قریشی اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کہا کہ کانگریس اور اس کی اتحادی پارٹیوں نے وعدہ کیا تھا کہ مخالف مسلم اور مخالف اقلیت فرقہ وارانہ تشدد کے سدباب اور روک تھام کے لئے اثر دار قانون بنایا جائے گا مگر ۲۰۰۵ء سے ایسے قانون کے صرف مسودے یعنی بلس ہی بنتے رہے ہیں اس کے سوا کچھ نہیں کیا گیا۔ ۲۰۱۱ء میں مسز سونیا گاندھی کی صدارت میں قائم ایڈوائزری کونسل نے ایک مسودہ مرتب کیا جس میں فرقہ وارانہ منافرت وکشیدگی اور فسادات کی روک تھام کی ذمہ داری عہدیداران ضلع وعہدیداران پولیس پر عائد کرنے کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ صورتحال پر نظر رکھے گی مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کی سرکاری مشنری کو ذمہ داری دی گئی۔ اس بل کی بی۔جے۔پی اور آر۔ایس۔ایس کی دیگر جماعتوں کی مخالفت سے موجودہ حکومت اتنی خائف ہوگئی کہ اس کو پارلیمنٹ میں پیش ہی نہیں کیا۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی نے کہا کہ مظفر نگر اور شاملی اضلاع کے ہلاکت خیز اور تباہ کن فسادات اور عام انتخابات کے قریب مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف نفرت کے فروغ اور فسادات کروانے کے امکانات نے فرقہ وارانہ تشدد کی روک تھام کا مؤثر قانون بنانے کی ضرورت بڑھادیے ہیں۔ یہ مطالبہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اور ملک کے ہر اس شہری اور ہر اس طبقہ کا ہے جس کو ملک کی فرقہ وارانہ آہنگی اور سالمیت اور استحکام عزیز ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے یہ وعدہ کیا گیا تھا اور مرکزی وزیر اقلیتی بہبود کے۔رحمٰن خان صاحب نے تیقن دیا تھا کہ قانون وقف میں ترمیمات کی بل کے ساتھ اوقاف کی جائیداد پر ناجائز قبضوں کی برخواستگی اور قابضین کے انخلاء کا قانون منظور کروایا جائے گا لیکن اب تک اس سلسلہ میں کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا اور وقف کے ترمیماتی قانون میں ایسی دفعات رکھی گئیں جو شریعت سے ٹکراتی ہیں جیسے متولی کے تقرر کے لئے سرکاری قواعد کی شرائط کی تکمیل ضروری قرار دی گئی ہے۔ یہ شریعت میں مداخلت ہے کیونکہ شریعت میں واقف یا وقف نامہ میں یا عمل درآمد سے متعینہ شرائط پر اترنے کو ہی لازم قرار دیا گیا۔ اس طرح کی کئی اور دفعات ہیں جو قابل اعتراض ہیں اور جن سے شریعت میں مداخلت بھی ہوتی ہے اس لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ مطالبہ ہے کہ پارلیمنٹ کے آنے والے اجلاس میں وقف پر ناجائز قبضوں کے انخلاء کا قانون منظور کروایا جائے اور وقف ترمیمی قانون کی دفعات میں مزید ترمیمات کی جائیں۔ ملک کی سیکولر سیاسی جماعتوں کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ مسلم اقلیت کی اور اب عیسائی اقلیت کی سب سے شدید شکایت یہ ہے کہ ان کے خلاف برپا کئے جانے والے تشدد کو روکنے کے تعلق سے آج تک اس پر سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا ہے جس کی شدید ضرورت ہے اور مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے اوقاف کو تباہی و بربادی سے بچانے کی بجائے قانون ہی کمزور بنایا جاتا ہے اور ناجائز قبضوں کی برخاستگی کے لئے مضبوط قانون موجود نہیں ہے۔

● ۳؍فروری ۲۰۱۴ء کو بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے مرکزی حکومت کی کابینہ کے ذریعہ اوقافی جائیداوں پر ناجائز قابضین کے تخلیہ کے مسودہ قانون کی منظوری کے موقع سے درج ذیل اخباری بیان جاری فرمایا:

مرکزی کابینہ کی جانب سے اوقافی جائیدادوں پر ناجائز قابضین کے تخلیہ کے مسودہ قانون کی منظوری کو جناب محمد عبدالرحیم قریشی اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کہا کہ درست فیصلہ ہے جو بہت تاخیر کے بعد لیا گیا ہے۔

انھوں نے کہا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ مطالبہ کرتا رہا ہے کہ عوامی املاک کے ناجائز قبضوں کی برخاستگی قانون، پبلک پریمائسس ایکٹ میں عوامی املاک کی تعریف میں مسلم اوقاف کو بھی شامل کیا جائے لیکن جب مرکزی وزارت قانون وانصاف نے یہ رائے دی کہ ایسا نہیں کیا جاسکتا تو آل انڈ مسلم پرسنل لابورڈ نے مطالبہ کیا کہ ان ہی خطوط پر اوقاف کے لئے الگ قانون بنایا جائے اس مطالبہ کو قبول کرنے کے بعد بھی حکومت کی جانب سے ٹال مٹول کی پالیسی اختیار کی گئی بالآخر کے رحمٰن خان صاحب وزیر اقلیتی بہبود نے وعدہ کیا کہ وقف ایکٹ کے ترمیمی بل ۲۰۱۳ء کے ساتھ یہ بل بھی پیش کیا جائے گا۔لیکن ایسا نہیں ہوا۔کہا گیا کہ مسودہ تیار نہیں ہے بورڈ کی جانب سے مسودہ قانون بھی تیار کر کے پیش کیا گیا اور مسلسل مطالبہ کیا گیا۔ اب مرکزی کابینہ نے اس کے کس مسودہ کو منظوری دی ہے۔دیر سے سہی اس فیصلہ کو بورڈ خوش آئند قرار دیتا ہے تاہم جب تک اس قانون کی دفعات کو تفصیل سے نہیں دیکھا جائے گا جو ابھی شائع نہیں کئے گئے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ قانون ادائے مقصد کے لئے کتنا اثر دار ہوگا۔جناب محمد عبدالرحیم قریشی نے کہا کہ وقف ترمیمی بل ۲۰۱۳ء کے بعد حکومت ہند کو توجہ دلائی گئی کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی کئی تجاویز قبول کرکے اس بل میں شامل کیا گیا لیکن بعض تبدیلیاں جن کا کوئی مطالبہ مسلم پرسنل لا بورڈ یا کسی مسلم ادارہ کی طرف سے نہیں کیا گیا تھا قانون میں متعلقہ وزارتوں کی جانب سے کی گئی ہیں جن سے شریعت میں مداخلت بھی ہورہی ہے اور قانون میں نقص بھی پیدا ہورہا ہے۔مثلاً متولی کے لئے شہریت، سرکاری مرتبہ شرائط کو پورا کرنے کا لزوم یہ شریعت میں کھلی مداخلت ہے۔آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی جانب سے مزید ترمیمات کی تجویز وزیر اعظم کو گزشتہ دسمبر ہی میں روانہ کردی گئی تھیں مگر تا حال اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت نظر نہیں آئی ہے۔آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے مطالبہ کیا ہے کہ پارلیمنٹ کے اس ماہ ہونے والے اجلاس میں ان ترمیمات کو حکومت پیش کرے اور منظور کروائے تاکہ مسلمانوں کو یہ یقین آسکے کہ شریعت اسلامی میں عدم مداخلت کے اپنے وعدہ میں یہ سرکار اور برسر اقتدار جماعت سنجیدہ ہے۔

● شبنم ہاشمی نے تبنیت کے سلسلہ میں جورٹ داخل کی تھی سپریم کورٹ نے ۱۹؍فروری ۲۰۱۴ء کو اس پر اپنا فیصلہ دیا اور اس فیصلہ کا تجزیہ کرنے کے بعد بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے ۲۰؍فروری ۲۰۱۴ء کو درج ذیل اخباری بیان جاری کیا:

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے مسلمانوں کو کسی بچہ کو متبنیٰ بنانے کے سلسلہ میں سپریم کورٹ نے کل جو فیصلہ دیا ہے اس کو شریعت اسلامی میں کھلی مداخلت قرار دیا ہے اور یہ اشارہ دیا ہے کہ شریعت کے اصول کو بحال کرنے اور اس فیصلہ کو بے اثر بنانے کے لئے قدم اٹھایا جائے گا۔کیا قدم اٹھایا جائے اس کا فیصلہ عنقریب ہوگا۔جناب محمد عبدالرحیم قریشی اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے کہا کہ شبنم ہاشمی کی رٹ پر چیف جسٹس پی ساتا سیوم جسٹس رنجن گوگوئی اور جسٹس شیوا کرتی سنگھ پر مشتمل بنچ نے فیصلہ دیا کہ کوئی بھی مسلمان جو وینائل جسٹس ایکٹ کے تحت کسی بچہ کو متبنیٰ کے طور پر لے سکتا ہے اور اس بچہ کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو حقیقی بچہ کو حاصل ہوتے ہیں۔آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس رٹ میں مسلم پرسنل لا یعنی شریعت کے نقطہ نظر کو سپریم کورٹ کے آگے رکھا اور بتایا کہ اسلام میں کسی لاوارث بچہ یا یتیم بچہ وغیرہ کی پرورش، کفالت کو بڑے ثواب اور اجر کا کام اور نیکی قرار دیا ہے اور جہاں کسی آفت آسمانی یا دوسری وجہ سے بچے بے سہارا اور لاوارث ہوجاتے ہیں ان کے لئے دین اسلام میں کفالت کا نظام موجود ہے چنانچہ تنظیم اقوام متحدہ کے حقوق اطفال کے میثاق میں گود لینے کے طریقہ کے متبادل کے طور پر ارکان ممالک سے اسلامی نظام کفالت کو رائج کرنے کی بات کہی گئی ہے۔سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ بات کہی ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے اسلام میں متبنیٰ بنانے کی ممانعت کے بارے میں کئی دلائل کے ساتھ بہت سا مواد پیش کیا، اس اعتراف کے باوجود جسٹس گوگوئی نے لکھا ہے کہ ملک کے قانون کو پرسنل لا پر برتری اور فوقیت حاصل ہے۔ اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ اس فیصلہ میں سپریم کورٹ نے ایسے مستقبل کی آرزو کی ہے جس میں مذہب اور مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر کوئی قانون نہ ہو اور سارے ملک میں یونیفارم سول کوڈ نافذ ہو اور وہ جووینائل جسٹس ایکٹ کی اپنی تعبیر کو یونیفارم سول کوڈ کی طرف ایک اہم قدم قرار دیتے ہیں۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی نے بتایا کہ کسی کو متبنیٰ بنانے سے خاندان میں حقوق اور ذمہ داریوں کا جو نظام ہے وہ یکسر متاثر ہوجاتا ہے۔گود لیا ہوا بچہ اگر لڑکا ہے اور گود لینے والے جوڑے کو کوئی لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ لڑکا بڑا ہوکر اس لڑکی سے شادی نہیں کرسکتا کیونکہ حقیقی بھائی بہن نہ ہونے کے باوجود قانون کی رو سے وہ بھائی بہن بن جاتے ہیں، گود لینے والے مرد اور عورت میں سے کسی کے انتقال کے بعد وراثت میں جن کا حصہ بنتا ہے وہ اس مصنوعی اولاد کی وجہ سے محروم ہوجاتے ہیں اسی طرح اور بہت سے پہلوؤں سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔جناب محمد عبدالرحیم قریشی نے مزید بتایا کہ یورپ اور امریکہ میں جہاں متبنیٰ لینے کی اجازت عام ہے اور یہ رواج عام ہے وہاں جو سائنسی ریسرچ سامنے آرہی ہے وہ یہ کہ

عادی مجرموں میں بڑا تناسب ان کا ہوتا ہے جو گود لئے گئے ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا رہتا ہے کہ میرے باپ کون ہیں اور یہ ذہن میں مسلسل گردش کرنے والا سوال ان میں سماج و معاشرہ کے خلاف جارحیت اور تشدد کا مزاج پیدا کردیتا ہے کہ اس سماج نے مجھے حقیقی ماں باپ سے جدا کردیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ماں باپ اور اولاد کے درمیان جیسی شفقت اور ادب و تعظیم کے احساسات پیدا ہونے چاہئے وہ پیدا نہیں ہوتے۔ اس مہینہ کی یہ اہم خبر رہی ہے کہ امریکہ کی فلمی دنیا کے مشہور ڈائریکٹر وڈی ایلین پر اس کی گود لی ہوئی بیٹی نے الزام لگایا کہ اس نے بہت ہی کم عمری سے اس کا جنسی استحصال کیا۔ اسی طرح امریکہ کی فلمی دنیا میں ایک اور ہیں جن کی موجودہ بیوی وہی ہے جس کو وہ اوران کی پہلی بیوی نے گود لیا تھا۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی نے اس نقطہ نظر کا بھی اظہار کیا کہ اقوام متحدہ کی تنظیم کی قرارداد میں بے سہارا اور لاوارث بچوں کی پرورش کے انتظام کے لئے گود لینے کو ایک ذریعہ بتایا گیا ہے لیکن ہمارے ملک ہندوستان میں کوئی اس نیت اور اس مقصد سے کسی کو گود نہیں لیتا۔ ہندو برادران وطن میں گود لینے کا رواج ہے اور گود لیتے وقت لاوارثی یا بے سہارا ہونے کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ لاولد ہونے کی وجہ سے گود لیا جاتا ہے اور اپنی ذات اور گوتر ہی کے بچہ کو گود لیا جاتا، لڑکی کو نہیں لڑکے کو گود لیا جاتا ہے اگر سروے کروایا جائے تو یہ حقیقتیں روز روشن کی طرح سامنے آجائیں گی اور ہمارے ہندو برادران وطن کی ایک مذہبی ضرورت ہے کیونکہ ان کی آخری رسومات یعنی چتا کو آگ لگانے کے لئے بیٹا چاہئے اور اس لئے بیٹا نہ ہو تو کسی کو بیٹا بنالیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے لئے تبنیت کے قانون پر مسلمانوں نے کبھی اعتراض نہیں کیا کیونکہ یہ ان کا مذہبی معاملہ ہے البتہ مسلمانوں میں اس کو جائز قرار دینے کی کوشش کے خلاف سارے مسلمان ہیں اور ایسے ہی معاملہ کے نتیجہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ وجود میں آیا تھا۔

● دہلی کی ۱۲۳؍ اوقافی جائیداد کا معاملہ ایک طویل عرصہ تک وقف بورڈ کے حوالہ کرنے کے سلسلہ میں معلق رہا اور جب یو پی اے دوم کی کابینہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان جائیدادوں کو وقف بورڈ کے حوالہ کیا جائے تو ۳؍ مارچ ۲۰۱۴ء کو بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محترم نے حسب ذیل پریس بیان جاری کیا:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے دہلی میں واقع ۱۲۳ جائیدادوں کو وقف بورڈ کے حوالے کرنے کے مرکزی کابینہ کے فیصلہ کا خیر مقدم کیا ہے اور اس توقع کا اظہار کیا ہے کہ اوقافی جائیدادوں پر ناجائز قبضوں کی برخاستگی کے لئے قانون سازی کے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مطالبہ پر بھی مرکزی حکومت صدر جمہوریہ کے آرڈی نینس کے ذریعہ اس کو نافذ کرنے کا فیصلہ کرے گی۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کہا کہ حکومت ہند کا یہ فیصلہ تاخیر سے ضرور آیا ہے مگر درست ہے اس کے لئے ہم یو۔پی۔اے کی صدرنشین مسز سونیا گاندھی اور وزیر اعظم ہند شری من موہن سنگھ کا شکریہ ادا کرتے ہیں، ساتھ ہی اس کے تعلق سے جو دلچسپی جناب احمد پٹیل صاحب نے لی وہ قابل قدر ہے کیونکہ ان کی وجہ سے مسز سونیا گاندھی نے اپنے رسوخ کا استعمال کیا نامناسب بات ہوگی اگر اس موقعہ پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی مسلسل نمائندگی اور پیروی کی ستائش نہ کی جائے جناب محمد عبدالرحیم قریشی نے بتایا کہ دہلی میں حکومت کے قبضہ میں جو اوقافی جائیدادیں تھیں ان کے تعلق سے مسز اندرا گاندھی کی وزارت عظمیٰ میں ۱۲۳ قیمتی جائیدادوں کی نوعیت وقف کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو دہلی وقف بورڈ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۱۹۸۴ء میں وشو ہندو پریشد نے اس کے خلاف عدالت سے حکم التوا حاصل کرلیا اس کے بعد دہلی ہائیکورٹ نے ۲۰۱۱ء میں اس حکم التو کو خارج کرتے ہوئے حکم دیا کہ یہ جائیدادیں دہلی وقف بورڈ کے حوالے کی جائیں۔ ان میں (۶۲) جائیدادیں مرکزی حکومت کے لینڈ اینڈ ڈیولپمنٹ محکمہ کے تحت اور (۶۱) جائیدادیں دہلی ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے تحت ہیں۔ ان میں کچھ میں سرکاری دفاتر ہیں اور کچھ پر رہائشی مکانات اور کالونیاں ہیں۔ یہ جائیدادیں بڑی قیمتی ہیں۔ اس سے دہلی وقف بورڈ کی آمدنی میں قابل لحاظ اضافہ ہوگا۔ اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کہا کہ ایک بڑی شکایت فرقہ وارانہ تشدد کے انسداد کے بل کے تعلق سے ہے۔ مرکزی حکومت نے اس کو پارلیمنٹ سے منظور کرانے سے گریز کیا لیکن محدود مدت کے لئے سہی اس کو قانون بنانے کا متبادل ذریعہ موجود ہے اس پر مرکزی حکومت غور کرے۔

● تحریک تحفظ شریعت کا جو قافلہ ۱۹۷۲ء میں چلا تھا اس کے ایک اہم سرگرم رکن جناب مولانا احمد علی قاسمی صاحبؒ کا ۲۱؍ مارچ ۲۰۱۴ء کو دل کا دورہ پڑنے سے اپنے وطن رانچی میں انتقال ہوگیا، انتقال کی خبر ملتے ہی دفتر مسلم پرسنل لا بورڈ نئی دہلی میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی، اسی موقع پر بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے بھی فون پر اپنے تعزیتی کلمات ارشاد فرمائے جس کے بعد ۲۱؍ مارچ ۲۰۱۴ء کو حسب ذیل تعزیتی بیان اخبار کو ارسال کیا گیا:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے معزز بنیادی رکن، مسلم مجلس مشاورت کے نائب صدر مولانا احمد علی قاسمی کا آج تقریباً ڈیڑھ بجے دن میں رانچی کے ایک

اسپتال میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا احمد علی قاسمی صاحب کے اچانک انتقال کی خبر ملتے ہی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ دہلی میں کارکنان کے درمیان ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی جس میں دفتر بورڈ دہلی کے انچارج وقارالدین لطیفی ندوی صاحب، مولانا ممتاز عالم صاحب قاسمی، مولانا فضیل احمد فلاحی صاحب، مولانا محمد اسعد ندوی صاحب، مولانا ارشد عالم ندوی اور جناب شمشیر عالم صاحب وغیرہ نے شرکت کی اور اس میں کہا گیا کہ مولانا احمد علی قاسمی صاحبؒ ہندوستان کے مشہور ومعروف علماء میں تھے، بڑے سرگرم اور فعال تھے، دارالعلوم دیوبند میں بورڈ کے سابق صدر حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ کے درسی ساتھی بھی تھے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے دن سے ہی اس کے سرگرم وفعال رکن تھے۔ بورڈ کے پلیٹ فارم سے بے شمار مسائل پر پوری دلچسپی لی، بلاشبہ مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، اپنی پوری زندگی انہوں نے قوم وملت کی فلاح وبہبود کے لئے وقف کردی تھی، اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے فون کے ذریعہ اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ مولانا احمد علی قاسمی صاحبؒ کے انتقال کی خبر سے بیحد صدمہ ہوا، ان کے انتقال سے بڑا خلا پیدا ہوا ہے، آپ نے فرمایا کہ ایک سال کے قریب امارت شرعیہ میں بھی انہوں نے اپنی خدمات انجام دی ہیں، مشاورت کے قیام کے بعد حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے آپ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کو دفتر میں سکریٹری کے عہدہ پر فائز کیا، اس وقت جناب افضل حسین صاحب ناظم اور مولانا عتیق الرحمٰن صاحب صدر تھے۔ رانچی میں آپ نے مسلم مشاورت کا ایک بڑے پیمانے پر اجلاس بھی منعقد کیا بعد میں آپ اس کے جنرل سکریٹری بنائے گئے اور پھر نائب صدر بھی ہوئے اور اخیر تک اس کے نائب صدر رہے۔ آپ نے فرمایا کہ پرسنل لا بورڈ کی تحریک سے وہ اس میں شامل رہے اور بورڈ کے جلسوں میں ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود پابندی کے ساتھ شرکت فرماتے اور ملت اسلامیہ کے مسائل کے بارے میں اہم رائیں دیتے، ان کے انتقال سے بورڈ ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ ایک صاحب بصیرت عالم دین سے محروم ہوگئی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

● ۲۲و۲۳ر فروری ۲۰۱۴ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس مہاراشٹر کے جلگاؤں میں طے کیا گیا تھا مگر حضرت جنرل سکریٹری صاحب محترم کی شدید علالت کی بنا پر یہ اجلاس ملتوی کردیا گیا تھا اس کے بعد ملک میں سولہویں لوک سبھا کے الیکشن کے بگل بجنے کی وجہ سے مزید تاخیر ہوگئی اور اب یہی ملتویہ اجلاس ۳۱ر مئی اور یکم جون ۲۰۱۴ء کو طے کیا گیا ہے جس کا ایجنڈا حسب ذیل ہے:

ایجنڈا

۳۱ر مئی ۲۰۱۴ء بعد نماز مغرب

(اس نشست میں صرف ارکان عاملہ شریک ہوں گے)

۱۔ تلاوت کلام پاک ۲۔ تجاویز تعزیت

۳۔ سابقہ کارروائی کی توثیق ۴۔ نفقہ مطلقہ اور طلاق کے سلسلہ میں تحکیم کی شرط سے متعلق مجوزہ ترمیمات پر سب کمیٹی کی رپورٹ کا جائزہ

۵۔ منظور شدہ وقف بل میں جو خامیاں رہ گئی ہیں انہیں ـــــ اور انسداد فرقہ وارانہ تشدد بل کو پارلیامنٹ سے منظور کرانے کی تدابیر پر غور

یکم جون ۲۰۱۴ء روز اتوار ۹ر بجے صبح

(اس نشست میں ارکان عاملہ اور مدعوئین شریک ہوں گے)

۱۔ تلاوت کلام پاک

۲۔ دارالقضاء کے نظام کے لئے مجوزہ دستور العمل کا جائزہ

۳۔ بورڈ کی مختلف کمیٹیوں کی رپورٹ اور ان کی تجاویز پر غور۔ (۱) اصلاح معاشرہ وآئینی حقوق بچاؤ تحریک (۲) دارالقضاء کمیٹی (۳) تفہیم شریعت کمیٹی (۴) قانونی کمیٹی (۵) مجموعہ قوانین اسلامی سے متعلق کمیٹی (۶) آثار قدیمہ سے متعلق تشکیل کردہ کمیٹی کی رپورٹ

۴۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ارکان بورڈ کو متحرک اور فعال بنانے پر غور

۵۔ خازن کی مالیاتی رپورٹ ـــــ گوشوارہ حساب وسالانہ بجٹ کی پیشی برائے منظوری

۶۔ ۲۰۱۴ء میں بورڈ کے اجلاس عمومی کے لئے مقام کے تعین پر غور

۷۔ دیگر امور باجازت صدر

مذکورہ ایجنڈا اور دعوت نامہ تمام ارکان عاملہ اور مدعوئین کی خدمت میں بذریعہ ڈاک اور ای میل روانہ کرنے کے بعد حضرت جنرل سکریٹری بورڈ محترم کا حسب ذیل اخباری بیان مؤرخہ ۱۶ر اپریل ۲۰۱۴ء کو جاری کیا گیا:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے ایک اخباری بیان میں فرمایا کہ صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد

رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ کے مشورہ سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۳۱/مئی اور یکم جون ۲۰۱۴ء بروز سنیچر واتوار شہر جلگاؤں (مہاراشٹر) میں طلب کیا گیا ہے۔ مجلس عاملہ کی پہلی نشست ۳۱/مئی کو بعد نماز مغرب ہوگی جس میں صرف ارکان عاملہ شریک ہوں گے اور دوسری نشست یکم جون کو صبح ۹ بجے سے شروع ہوگی جس میں ارکان و مدعوئین دونوں شریک ہوں گے۔ اس اجلاس میں منظور شدہ وقف بل کی خامیوں کو دور کرنے، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس میں مسلم پرسنل لا سے متعلق دائر مقدمات میں ہورہی پیروی کی عملی پیش رفت رپورٹ، بورڈ کی مختلف کمیٹیوں کی رپورٹ اوران کی تجاویز پر غور ہوگا۔ ارکان اور مندوبین کرام کے نام دعوت نامہ مع ایجنڈا بھیجدیا گیا ہے اوران سے درخواست کی گئی ہے کہ اس اہم اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں اوراپنے قیمتی آراء سے استفادہ کا موقع دیں۔

● آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نکاح کے رجسٹریشن کا مخالف کبھی نہیں رہا البتہ بورڈ نے لازمی کی ہمیشہ مخالفت کی ہے اور اسی سلسلہ میں بورڈ کی لازمی نکاح رجسٹریشن کمیٹی کے کنوینز محترم جناب ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس صاحب نے اس سلسلہ میں مؤرخہ ۱۸/اپریل ۲۰۱۴ کو حسب ذیل اخباری بیان جاری فرمایا:

دہلی حکومت کی جانب سے نکاح کے لازمی رجسٹریشن کے مسئلے پر لیفٹننٹ گورنر مسٹر نجیب جنگ کو ایک خط لکھ کر مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایک بار پھر اپنا موقف دہرایا۔ بورڈ کی لازمی نکاح رجسٹریشن کمیٹی کے کنوینز، ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس نے لیفٹننٹ گورنر کو اپنے مکتوب میں کہا ''بنیادی طور پر مسلم پرسنل لا بورڈ نکاح کے رجسٹریشن کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ ہندوستان میں رجسٹریشن کا مسئلہ اٹھنے کے بعد یعنی 1981 میں اپنے اس نقطۂ نظر کا اظہار کر چکا ہے کہ نکاح کے ریکارڈ کو محفوظ کرنے کا نظم قائم کرنا نہ صرف درست بلکہ مستحسن ہے۔ البتہ بورڈ موجودہ حالات میں رجسٹریشن کو لازمی قرار دیئے جانے کو مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ ایسا کرنا گویا نکاح کے انعقاد کے لیے ایک شرط کا اضافہ ہوگا۔ بورڈ کا موقف یہ ہے کہ رجسٹریشن کو ثبوت نکاح کے لیے ہرگز شرط کا درجہ حاصل نہیں ہونا چاہئے بلکہ شرعی اصولوں کے مطابق انعقاد نکاح کا ثبوت فراہم کردیا جائے تو اسے قابل قبول ہونا چاہیے''

اپنے مکتوب میں ڈاکٹر الیاس نے آگے کہا ''یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح کے لیے جو رجسٹریشن فارم بنایا جائے اس میں مذہب کے ماننے والوں کے طریقۂ کار اور شرائط کو ملحوظ رکھا جائے، یعنی مسلمانوں کے نکاح کے رجسٹریشن فارم میں گواہان، مہر وغیرہ کا ذکر ہونا چاہیے اور ایسی تنقیحات قائم کرنا بھی ضروری ہے جو موانع نکاح کو واضح کرتی ہوں۔''

ڈاکٹر الیاس نے پرسنل لا بورڈ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے آگے کہا کہ ''مسلمانوں میں نکاح کے رجسٹریشن کا نظام کسی نہ کسی شکل میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ لہذا مسلمانوں کے قاضی حضرات، نکاح خواں، ائمہ مساجد یا وہ دینی تنظیمیں جو نکاح کے اندراج کا اہتمام کرتی ہیں، انہیں میرج رجسٹرار اوران کے ریکارڈ کو میرج رجسٹر تسلیم کرلیا جائے تا کہ ڈپلیکیشن اور دیگر دشواریوں سے بچا جاسکے۔ اس سلسلہ میں آسام، بنگال اور آندھرا پردیش کی مثالوں کو نظیر بنایا جاسکتا ہے، جہاں مسلمانوں کے نکاح کا اندراج وقف بورڈ کی جانب سے مقرر کردہ قاضیوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مہاراشٹر گورنمنٹ نے میرج ہال کے منتظمین کو بھی شادی کے اندراج کا اختیار دے رکھا ہے''۔

بورڈ کی لازمی میریج رجسٹریشن کمیٹی کے کنوینز ڈاکٹر قاسم رسول الیاس نے لفٹننٹ گورنر سے اپیل کی کہ وہ مسلمانوں کی شادیوں کی رجسٹریشن کے سلسلے میں مسلم پرسنل لا بوڈ اور دینی وملی تنظیموں کو اعتماد میں لے کر ہی کوئی فیصلہ کریں۔ ڈاکٹر الیاس نے اپنے خط میں اس بات کو ایک بار پھر دہرایا کہ بورڈ نکاح کے رجسٹریشن کا مخالف نہیں ہے البتہ وہ چاہتا ہے کہ ایسا کرتے وقت شریعت کے نقطہ نظر ودیگر دشواریوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

وفیات

تاسیسی رکن بورڈ مولانا احمد علی قاسمی صاحب ۲۱/مارچ ۲۰۱۴ء کو اور سابق رکن تاسیسی بورڈ سید عاصم علی سبزواری ایڈوکیٹ صاحب میرٹھ ۳۰/جنوری ۲۰۱۴ء کو مالک حقیقی سے جا ملے۔

غیر ارکان میں سیدنا ڈاکٹر محمد برہان الدین صاحب روحانی پیشوا بوہرہ جماعت ۱۶/جنوری ۲۰۱۴ء کو، مولانا فریدالزماں کیرانوی صاحب کارگزار صدر تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند ۱۴/فروری ۲۰۱۴ء کو، معروف سرجن ڈاکٹر سید مسعود اشرف صاحب علی گڑھ ۲۵/فروری ۲۰۱۴ء کو، نائب ناظم امارت شرعیہ پٹنہ مولانا سہیل احمد ندوی صاحب کی والدہ محترمہ یکم فروری ۲۰۱۴ء کو، شیخ الحدیث مولانا واجد حسین دیوبندی صاحب ۲۶/جنوری ۲۰۱۴ء کو، حضرت مولانا زبیرالحسن کاندھلوی صاحب امیر تبلیغی جماعت ۱۸/مارچ ۲۰۱۴ء کو، رکن بورڈ مولانا قاری محمد یعقوب علی خانصاحب کے بڑے بھائی جناب محمد یوسف علی خانصاحب ۵/اپریل ۲۰۱۴ء کو اپنے وطن شاہجہاں پور میں اور شیخ نادر نوری جمعیۃ الخیریہ کویت ۱۶/اپریل ۲۰۱۴ء کو، انتقال فرماگئے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اوران کے درجات بلند فرمائے۔ آمین